"میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے" (الحدیث)

منہج الاسلاف فی موقع الاختلاف

بنام

رحمتِ اختلاف

مصنف

نبیرہ حضور محدثِ اعظم ہند، شہزادہ حضور غازی ملت، تاج العلما حضرت

علامہ حافظ و قاری سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی

بانی "اشرفی چشتی فاؤنڈیشن"، احمد آباد گجرات

ناشر: اشرفی چشتی فاؤنڈیشن احمد آباد گجرات

نام کتاب: مِنہجُ الاَسلافِ فی موقعِ الاِختلاف

المعروف (رحمتِ اختلاف)

مصنف: نبیرۂ حضور محدّثِ اعظم ہند، شہزادۂ حضور غازئ ملّت، تاج العلما حضرت
علّامہ حافظ وقاری سیّد محمّد نورانی الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی

نظر ثانی: فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی اشرفی۔

کمپوزنگ، پروف ریڈنگ وتصحیح: (مولانا) محمد افضل حسین مصباحی اشرفی سہرساوی

زیر اہتمام وناشر: اشرفی چشتی فاؤنڈیشن، احمد آباد گجرات

قیمت: ۱۵۰ — پہلی طباعت: مارچ ۲۰۱۹ء

صفحات: ۲۰۸ — دوسری طباعت: اپریل ۲۰۱۹ء

تعداد: ۱۱۰۰

رابطے کا پتہ

☆ اشرفی چشتی فاؤنڈیشن، احمد آباد، گجرات۔ Mob: 9898949191
☆ فاروقیہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ 011-23267199
☆ مکتبہ فیضان اشرف، نزد جامع اشرف کچھوچھہ۔ 7860099001
☆ مکتبہ حافظ ملت، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ 9044401887
☆ عرشی کتاب گھر، چار مینار، حیدر آباد۔ 8309188865
☆ کمال بک ڈپو، گھوسی، مئو، یوپی۔ 9935465182
☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی ۔ 9870603236

فہرست مضامین

☆☆☆

﴿اظہار تشکر و امتنان﴾

اراکین وممبرانِ تنظیم، اِس کتاب کے قارئین و مادحین کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے کتابِ ھٰذا، مصنفِ کتاب اور اراکین تنظیم کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے اس دینی وضروری خدمت کو سراہا؛ اور اس کتاب کی طباعتِ ثانیہ کے لیے اپنے اصرار کو جاری رکھا۔ لہٰذا جس کو بعد رمضان طباعت کی منزل سے گذارنا تھا، اسے ان حضرات کے اس اصرار کی بدولت تنظیم نے اپنے ارادے کو خیر آباد کہا، اور دوسری طباعت کو، اس کی پہلی طباعت کے محض ۲۶/دن بعد دوبارہ قارئین و مادحین کی نگاہوں کے حوالے کردیا۔ ساتھ ہی ساتھ اُن حضرات کے بھی تہہ دل سے شکر گذار ہیں، جنہوں نے اپنے ایمانی و دینی جذبے سے سرشار ہوکر وقف اور ایصال ثواب کی نیت سے اس کتاب میں حصہ لیا؛ بالخصوص اُن حضرات کے ممنون ومشکور ہیں، جنہوں نے اپنے بیش قیمتی رقم کے ذریعے حصہ لیا، جس کی وجہ سے سینکڑوں علمائے کرام، مفتیانِ عظام وائمۂ مساجد کے مطالعہ کی میز پر بطور ہدیہ ہم یہ کتاب پہونچانے میں کامیاب ہوئے۔

اراکین وممبران تنظیم

''اشرفی چشتی فاؤنڈیشن'' احمد آباد، گجرات (انڈیا)

الاھداء

میں اپنی اِس پہلی تحریری کاوش کو اپنے والدین کریمین کی بارگاہ میں نذر کرتا ہوں، جنہوں نے اِس فقیر کو اپنی بے بہا شفقتوں اور دعاؤں سے ہمیشہ نوازا۔ خصوصاً والدگرامی، حضور غازئ ملت، حضرت علامہ الشاہ سید محمد ہاشمی الاشرفی الجیلانی [متعنا اللہُ تعالیٰ بطولِ حیاتِہ] کی بارگاہ میں ہدیہ وتشکر کی سوغات پیش کرتا ہوں، جن کی تربیت گاہ کا ایک ادنیٰ متعلم بن کر میں نے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔ چنانچہ آپ کی میری جانب غیر معمولی توجہ اور انتہائی دل چسپی نے مجھے ہمیشہ اپنے مقصد و ہدف کی تکمیل کے لیے آمادہ رکھا۔

اور اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ مخدومہ کو، جن کی بے شمار اور بے لوث دعاؤں نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرسکوں۔

میں صمیمِ قلب کے ساتھ اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ مخدومہ کی روح پاک کو یہ کتاب ایصالِ ثواب کررہا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ اُن کے درجات و مراتب کو بلند فرمائے اور ان کے لحدِ پاک کو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی
ابوالفیض سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی

الانتساب

میں اپنی اِس کتاب کو تمام انبیا والمرسلین علیہم السلام اجمعین بالخصوص حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم، فخرِ آدم و بنی آدم محمد ﷺ کی جانب منسوب کررہا ہوں نیز جملہ صحابہ و تابعین و اہل بیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، وجمیع ائمۂ دین، فقہا و اصولین وائمۂ مجتہدین بالخصوص امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت قدست اسرارھم وجمیع اولیائے سلاسلِ طریقت:

سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، مداریہ، رفاعیہ، اویسیہ، قلندریہ، فردوسیہ، صابریہ، نظامیہ، اشرفیہ، برکاتیہ، صفویہ، ابوالعلائیہ، شاذلیہ، کستز انیہ، طبقاتیہ، طیفوریہ، ملامتیہ، بخاریہ، رضویہ...... بالخصوص میرے جد کریم حضور غوث الثقلین سیدنا شیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی، البغدادی قدس سرہ وحضور خواجہ خواجگاں، والیٔ ہندوستاں، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری قدس سرہ وحضور قدوۃ الکبریٰ، غوث العالم، محبوبِ یزدانی حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ، نیز خانوادۂ اشرفیہ غوثیہ کے جمیع مشائخ.........خاص کر نقیب الاشراف، مخدوم الآفاق سید عبدالرزاق، نورالعین الاشرفی الجیلانی قدس سرہ، وشیخ المشائخ، شبیہِ غوثِ اعظم، المعروف ''اعلیٰ حضرت اشرفی میاں'' حضرت سید شاہ ابو احمد علی حسین الاشرفی الجیلانی قدس سرہ، ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ حضرت، مجددِ دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی قدس سرہ وجدِ مکرم، رئیس المتکلمین، سیدالمناظرین حضرت سید شاہ ابوالمحامد محمد الاشرفی الجیلانی المعروف ''محدثِ اعظمِ

ہند''قدس سرہ۔

اخیر میں اپنے پیرومُرشد حضور مخدوم المشائخ ،تاجدارِ اہلسنت ، پروردۂ چہار محبوباں، حضرت علامہ مفتی الشاہ ابوالمسعو دسید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی قدس سرہ اوراپنے بڑے نانا جان، پیرطریقت، منبع روحانیت، بابائے قوم و ملت حضرت پیرسید عظیم اشرف الاشرفی الجیلانی قدس سرہ کے اسمائے گرامی سے اِس کتاب کو منسوب کر کے دنیا وآخرت کی سعادت سمجھتا ہوں۔

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی
ابوالفیض سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی

عرض ناشر

زیرِنظر کتاب بنامِ عربی'' **منهج الاسلاف في موقع الاختلاف** ''اور بنامِ اردو''رحمتِ اختلاف'' خانوادۂ اشرفیہ کے ایک ایسے چشم و چراغ، مایہ ناز عالم، جواں سال فاضل اور دور اندیش مفکر کے قلم کا نتیجہ وثمرہ ہے، جو نہ صرف دنیائے خطابت پر نورانی جلوے بکھیر رہے ہیں، بلکہ علم وعمل اور تحریر وتصنیف کے ذریعہ بھی اساسِ اسلام اور روحِ دین کی شعاؤں سے منسلک مختلف خطۂ ارض کے فرزندانِ توحید اور غلامانِ رسول کے دلوں کو منور فرمانے کا قصد کیے ہوئے ہیں اور کر رہے ہیں، جن سے میری مراد نبیرۂ حضور محدثِ اعظمِ ہند، شہزادۂ حضور غازئ ملت، تاج العلماء حضرت علامہ حافظ وقاری **سید محمد نورانی** الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی ہیں۔

تبلیغی ذمہ داریاں، دعوتی اسفار کی تیاریاں، پھراُن کی پریشانیاں، اوران سب میں غرق ہونے کی وجہ سے نیند وآرام کی کمیاں......اخلاص ووفا کا دامن پکڑ کر، ملی اتحاد واتفاق کے جذبے سے سرشار ہوکر اتنی پریشانیوں کو بیک وقت جھیلتے ہوئے قلم اٹھا کر ایک کتاب لکھ لینا صرف کرم خداوندی سے ہی ہوسکتا ہے۔اور پھراس طرح لکھنا کہ عوام تو عوام ،علما اور پڑھے لکھے طبقہ کے لیے بھی ایک توشۂ حیات ہوجائے، غیبی مدد ہی معلوم ہوتی ہے!

اختلاف کی اصل کیا ہے؟ اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اس کا مولد ومنشا کہاں ہے؟ اس کی جامع اور مانع تعریف کیا ہے؟ اختلاف کرنے کے حق دار کون لوگ ہیں؟ اختلاف کا حقیقتِ شریعت سے کیا تعلق ہے؟ اِن تمام سوالوں کے صحیح اور کافی جواب آپ کو زیرِنظر کتاب میں ملیں گے۔

تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے نامور علما و قضاۃ

گزرے، جن کو اپنی مشیخت اور فن پر بڑا ناز تھا؛ مگر جب وہ اِس **مشروع اختلاف** کو نبھانے چلے تو اسی ناز کی وجہ سے اُن سے بھی خطائیں سرزد ہوئیں اور انھوں نے اسے (اختلاف کو) مذموم کی شکل دے ڈالی۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اسی کا اختلاف محمود ہوگا، جس کے اندر جذبۂ قبولِ خطا اور منکسرانہ شان موجزن اور موجود ہو۔ کیوں کہ یقیناً اس میں بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ جن کے ناموں کے ساتھ محقق، پروفیسر، ڈاکٹر، تنقید نگار، ماہرِ ادبیات اور مؤرخ و مدبر جیسے **لاحقے** لگے ہوئے تھے، وہ بھی اس میں پھنستے نظر آئے؛ تو جدید درس گاہوں کی پیداوار اور ان کے دست و بازو اگر اِس جعلسازی کے شکار ہوتے ہیں، تو چنداں تعجب کی بات نہیں کہ بڑے بڑے محدث، معلم، مقرر، مفسر و اصولی کہے جانے والے حضرات بھی اس کو کما حقہ نہیں نبھا سکے؛ مگر اِن آخرالذکر ہستیوں کے مکمل طور سے اور کما حقہ نہیں نبھا سکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُن کا مطمحِ نظر بھی یہی تھا...... نہیں، ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ ایسا اُن سے مبادیٔ علم اور اساسِ دین کے فہم میں کمی وبیشی اور اخذ نتیجہ میں تفاوت کی وجہ سے ہوا، جس کی وجہ سے وہ عنداللہ وعندالرسول مقبول و ماجور ہیں۔

شخصیت اور انانیت پرستوں کے بڑے بڑے عمائدین اور ذمہ داران آج بھی علم وفضل کے مبارک دستار کا سہارا لے کر اِس مشروع اختلاف کو مذموم بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے گمراہ کن افکار وخیالات کو مسائلِ شرعیہ کی آڑ میں فروغ دے رہے ہیں۔ اِن صفات کے حامل اشخاص کے **اختلاف** نے ہی امت کے ماحول کو بوالعجب اور پُر اسرار بنا دیا ہے؛ جو ایک زمانہ کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔ اور اسی بوالعجبی نے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (۱) وہ جو، آنکھ بند کر کے اپنے مقتدا یا محبوبِ نظر مفتی و عالم کی بات مان لیتے ہیں، جنھیں معاملہ کی درستگی یا غیر صحت مندی کی کوئی فکر نہیں۔ (۲) وہ جو، اُن کو مشکوک مانتے ہیں، ان پر دین کی روح کو زنگ پہنچانے کا الزام رکھتے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ ہمارے لیے **قرآن وسنت** کافی ہے

اور یہ **اختلاف**، چوں کہ انھیں دونوں اساسِ شریعت کا خاصہ اور ثمرہ ہے، اس لیے ہم اسے شریعت کی شبیہ کی بقا کے ساتھ مانیں گے اور اس کی بنیاد پر ماخوذ مسائل پر عمل بھی کریں گے۔ یقیناً یہ نظریہ، مقبول گروہ کا ہے۔............ تاریخ کے ہر دور میں اس طرح کے دونوں رجحانات موجود ہیں۔

حیرت تو اُس وقت ہوتی ہے جب پہلے گروہ کے مقتدا و محبوبِ نظر اشخاص، اپنے افکار ونظریات کو مسائلِ شرعیہ بتا کر موعظت وخطابت اور قرطاس وقلم جیسی عظیم ومقدس تبلیغی ہتھیار کو سہارا بنا کر فروغ دینے لگتے ہیں!...... اس کی کسی نہ کسی حد تک ذمہ داری ہمارے سر بھی عائد ہوتی ہے، کیوں کہ ہم نے اپنے درپیش مسائل کو **حل** کے سلسلے میں یا تو اپنے ادارے یا اپنے مشرب کے علما کے ہی بتائے ہوئے فتوے ورائے میں محصور کر لیا اور اسی کو قابلِ عمل سمجھا۔ اور دوسرے مشرب کے علما ومفتیان کرام کے بتائے ہوئے فتوے یا رائے پر عدمِ عمل کے سلسلے میں اِس قدر مصر ہوئے کہ ایسے موقعے پر تقاضۂ شریعت کا بھی خیال نہیں کیا، جس سے **مذموم اختلاف** کی ترقی میں اور بھی بال وپر اُگ گئے اور اس کے زہریلے مواد وپھل آنے لگے؛ نتیجتاً تعلیم یافتہ ذہن اور طبقہ بھی دھیرے دھیرے ہمارے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔

لہٰذا ایسے حالات میں اِس بات کی بڑی سخت ضرورت تھی کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ سامنے آئے اور اسلاف کی تعلیمات اور متنازع فیہا علمی مسائل میں اُن کے طرزِ عمل کو صحت وتحقیق کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر سجا کر دنیا والوں کے سامنے پیش کرے اور بتائے کہ جو کچھ اب تک آپ کے سامنے اختلاف کی صورت، ظہور پذیر ہوئی ہے؛ اس کا ایک پہلو یقیناً حقیقت اور مقتضائے شریعت سے خالی ہے، جسے سمجھنے کی از حد ضرورت ہے۔ الحمد للہ! اسی حقیقت سے عاری پہلو کو بالخصوص اور حقیقت سے پُر پہلو کو بالعموم سمجھانے کے لیے نبیرۂ حضور محدثِ اعظمِ ہند، شہزادۂ حضور غازیٔ ملت، تاج العلماء حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی

مدظلہ العالی نے قلم اٹھایا اور اس کے (اختلاف کے) ہر گوشے پر کھل کر مدلل و مبرہن بحث کی۔ بس اب ہمیں اسے سمجھنے اور عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ اِس وقت میرے ہاتھوں میں علم و ادب، فکر و تحقیق، اسلاف کے طرزِ عمل، اور مسائلِ شرعیہ کی روح میں شامل **اختلاف** کا ایک مفید دستاویز بنام ''**رحمتِ اختلاف**'' کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں اسلاف کے واقعات و حکایات اور نوع بنوع امثال کے مہکتے پھول دکھائی دیتے ہیں، ورق ورق میں ذوقِ تحریر، کیف و سرور اور جذبۂ تبلیغ دین کی ایک دنیا آباد ہے۔ طرزِ تحریر شگفتہ ہے، اندازِ بیاں آسان اور سہل ہے نیز، آپ نے کتاب کو خوبصورت ادبی عبارتوں سے سجایا ہے، جس سے عوام کے ساتھ ساتھ اہلِ ادب کے لیے بھی اس میں دل چسپی کا سامان جمع کر دیا ہے۔ حسبِ موقع جگہ جگہ قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے، جس سے کتاب کی معنویت کافی بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح آیات کے ساتھ ذکرِ احادیث اور ان کے ضروری حوالے بھی درجِ مبحث ہیں، مگر جامعیت اور اختصار ہر جگہ مدنظر ہے، جو اس کتاب کا خاصہ ہے، جس سے کتاب کی افادیت اور قبولِ عام کافی بڑھ جاتی ہے۔ متعدد مقامات پر صحابہ و تابعین و ائمۂ مجتہدین کے مابین آپسی رواداری کے سبق آموز واقعات بھی شاملِ کتاب ہیں، جن سے اہلِ علم اور اربابِ ذوق و شوق کا تجسس اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس میں حضرت نے بتایا ہے کہ: اختلاف کے اشکال و صور تو بدلتے رہے، مگر ارواح و بواطن ہر دور میں یکساں رہے، لہٰذا ہمیں اسی باطنی کیفیت کو اپنانا چاہیے؛ باقی مخربِ اخلاق عادات و اطوار کو ترک کر دینا چاہیے۔

اب لیجئے اسی مہکتے گلشن سے بس دو پھول پیش کرتے ہیں اور آپ کو اِس بات کی زحمت دیتے ہیں کہ آپ حضرت کے ادب کے جمال اور قلم کے کمال کا مشاہدہ کریں اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں کہ حضرت، کس طرح امت کو جوڑنے کا درد محسوس کر رہے ہیں اور ہمیں اس کے ازالے کی صورت سے باخبر کر رہے ہیں:

☆''قارئین کرام! اپنی اپنی فکر اور وسعتِ علم میں میرا یہ سوال رکھیں اور اللہ جواب دیں کہ عدل وانصاف، اخلاق و رواداری اور باہمی تکریم و توقیر کی یہ مثالیں اب کالعدم کیوں ہو چکی ہیں؟ عفو و درگزر کا جذبہ معدوم کیوں ہوتا جا رہا ہے؟ ....تکفیر و تضلیل اور تفسیق و تکفیر کی اس بے قابو آندھی میں انصاف و اخلاق کا چراغ کیسے فروزاں کیا جائے؟ جب کہ اختلاف کے اخلاقیات کے باب میں عدل وانصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ فریقِ مخالف کے پاس جو حق و صواب ہو، اس کو قبول کر لیا جائے، خواہ باہم فکر و نظر کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو''۔

☆''ان کی (امت مسلمہ کی) یہ شوکتِ رفتہ اس وقت تک لوٹ کر نہیں آسکتی، جب تک وہ اس پاکیزہ اور حیات بخش شریعت کی طرف عود نہیں کرتے۔ اور اپنے جملہ امور میں ان کو حَکم نہیں بنا لیتے۔

اخیر میں بڑے ہی ادب و احترام کے ساتھ علما و صاحبان افتا سے ملتجی ہوں کہ آپ اپنے فرض منصبی کو سمجھیں اور اس بات کو ذہن نشیں رکھیں کہ آپ ہی فی الوقت امت کے ہادی اور خیر کے داعی ہیں۔ اور آپ رہبر و رہنما ہونے کی حیثیت سے اپنی ہر خامی کے لیے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہیں۔

لہٰذا اہل علم، کو درس و تدریس کا فریضہ اشاعتِ علم کے لیے انجام دینا چاہیے، مجادلہ و مکابرہ اور عقلی و علمی تعیش کے لیے نہیں...... جب تک اربابِ علم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے، وہ دوسروں کے لیے نمونۂ عمل نہیں بَن سکتے، نہ ہی دوسرا اُن کی دعوت سے فیض یاب ہو سکتا ہے''۔

یقیناً اس عبارت میں حضرت کی آہ ایک دلفگار کی طرح سنائی دے رہی ہے؛ جو ملت کی آشفتہ حالی پر اظہارِ غم کے ساتھ اس کی تلافی و تدارک کی صورت سے ہمیں باخبر کر رہے رہیں اور وقت و حالات کا رخ موڑنے کا شعور، فکر و نظر کو تابناکی اور قلب و نگاہ کو اخلاص و اتحاد کی نئی جہتوں کا سراغ عطا کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسا محسوس

ہو رہا ہے کہ ملت کی ڈوبتی نبض میں برقی لہر دوڑانے کا جذبہ لیے ہوئے ہیں اور ملت
کے خاص وعام، ہر دو قسم کے افراد کو پیغامِ اتحاد و اتفاق دے کر سب کے شاہراہِ حیات
کو اسلامی و شرعی نقطۂ نظر سے ایک اور متحد کرنا چاہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں، اس
عبارت میں ایسا خیال ہو رہا ہے کہ آپ ایک شاکرِ غم بندہ کی طرح نرم و عالمانہ اسلوب،
داعیانہ اور حکیمانہ طرزِ تحریر، معروضانہ لب و لہجے میں قبولیت کی امید کرتے ہوئے اپنا
عریضہ پیش کر رہے ہیں۔

اِس جگہ مَیں اربابِ علم و افتا خصوصاً ذمہ دارانِ ادارہ و دار العلوم سے بنیتِ
اخلاص ملتجی ہوں کہ پہلے اس کتاب کو پڑھیں، سمجھیں اور پھر اگر امت میں اتحاد و یگانگت کی
روح پھونکنے والی اور اربابِ علم و افتا کے آپسی رواداری کو بتقاضۂ شریعت درست کرنے
والی معلوم ہوئی، تو اپنے منتہی طلبہ کی جماعت میں کم از کم بطورِ مطالعہ شاملِ نصاب
کریں؛ تاکہ جب وہ درو دیوارِ ادارہ سے باہر نکلیں اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں قدم
رکھیں تو اس تعلق سے ایک صاف و شفاف ذہن لے کر آپ کے ادارہ سے نکلیں، اور اگر
انھیں کہیں شرعی مسائل میں اختلاف کا معاملہ بھی در پیش ہو جائے، تو وہ اسے مشروع
طریقے سے نقوشِ اسلاف پر چلتے ہوئے نبھا سکیں۔

مجھے امید ہے کہ...... جن کی نظریاتی اساس، مضبوط ہوگی یا جن کی فکر مخلصانہ و دور
اندیشانہ ہوگی، وہ حضرات میری اِس مذکور پُر خلوص التجا کو ضرور قبول فرمائیں گے۔ کیوں کہ
امت کی خیر خواہی کے لیے ہمیں اپنے اندر کے جمود و تعطل کے طلسم کو توڑنا ہی ہوگا، اندر کا
عرفان اب جگانا ہی ہوگا، اور ادارہ کے دست و بازو (طلبۂ کرام) کے علمی، ادبی اور فکری
وُسعتوں میں متنازع فیہ شرعی مسائل کی صحیح فہمی کے لیے بال و پر اُگانا ہی ہوگا۔ یہ میری
خلوص و وفا سے بھرپور گذارش ہے، کوئی حکم و امر نہیں۔ امیدِ قوی ہے کہ آپ حضرات میری
اِس پُر خلوص عریضہ کا خون نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆

بلاشبہ یہ کتاب، موجودہ حالاتِ امت کی اصلاح اور خدماتِ خلق کے
مشترکانہ جذبے کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ حضرت کے اسی خدمتِ خلق کے جذبے نے
حضرت کو تعمیر و اصلاحِ عوام اور خدمتِ دین و خلق کے لیے ایک تنظیم قائم کرنے پر مجبور
کیا۔ چنانچہ آپ نے سن **۲۰۱۱ء** میں بمقام بھیلواڑہ، راجستھان میں بنام **"اشرفی چشتی
فاؤنڈیشن"** تنظیم کی بنیاد ڈالی؛ جس کی نشاۃِ ثانیہ شہر احمد آباد، گجرات میں سن **۲۰۱۳ء**
میں ہوئی۔ اس کے بعد سے اِس تنظیم نے اپنے پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے روزِ
اول سے ہی مختلف محاذ پر **ملکی و عالمی** سطح پر خدمتِ دین و خلق انجام دے رہی ہے، اور
اپنے اہداف کی طرف بڑی تیز رفتاری سے گامزن ہے۔ جس کی اہم وجہ، حضرت کا
اس کے افراد کی ہر محاذ پر دستگیری و رہنمائی کے ساتھ ساتھ اُن کے قلوب و اذہان کو
تعمیری سوچ و فکر میں بدلنا اور اُن کے وجود کو مختلف مواقع، حالات کے جبری تقاضے اور
عصری چیلینجیز سے نبرد آزمائی کا ہُنر بخشنا ہے۔ یقیناً اس تنظیم کو ہم ایک **جامع تنظیم** کا نام
دے سکتے ہیں؛ کیوں کہ اس کے اغراض و مقاصد میں دین و خلق کی خدمت کا ہر گوشہ
شامل ہے، جس کا صحیح اندازہ اس کے تحت مندرج خدمات سے لگ سکتا ہے؛ جس کی
کچھ جھلکیاں سطورِ آئندہ میں موجود ہیں۔

**یہ تنظیم، اور ارکین و ممبرانِ تنظیم زیرِ نظر کتاب کی طباعت سے بہت خوش اور
اس کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتی ہے اور حضرت کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ راقم الحروف بھی
ان کی اس خوشی و تشکر میں شریک ہے اور اس کا ایک ممبر و رکن ہونے کی حیثیت سے،
اس کے اغراض و مقاصد اور کچھ انجام پذیر کام سے قارئین کو روشناس کرانا
چاہتا ہے۔ تو ملاحظہ ہو اس کے اغراض و مقاصد اور کچھ انجام پذیر اہم کام:**

(۱) تعلیمی فروغ: فاؤنڈیشن کی طرف سے سرزمینِ احمد آباد، گجرات، بمقام
معین ڈوپلیکس، سرخیز، امبر ٹاور، رنگ روڈ ۱۹ر جولائی **۲۰۱۷ء** کو ایک مدرسہ بنام
"مدرسہ چشتیہ اشرفیہ" کی بنیاد ڈالی گئی؛ جس میں آج کثیر تعداد میں طالبانِ علومِ نبویہ

اپنی تشنگیٔ علم بجھا رہے ہیں اور دن بدن اس کی تعلیم سے مانوس ہو کر اس کی طرف کھچے جا رہے ہیں۔ لہٰذا طالبانِ علوم نبویہ کے اِس رجحان کو دیکھ کر پھر دوبارہ اُسی کے قریب بمقام مکہ نگر، حضرت خواجہ سوسائٹی، جوہاپورا میں اسی کا ایک ہم نام ایک اور مدرسہ کھولا گیا۔ بحمدہ تعالیٰ آج ان دونوں میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں علوم دینیہ کی تعلیم ہو رہی ہے، جس سے فرزندانِ توحید اور غلامانِ رسول ﷺ کے قلوب منور ہو رہے ہیں۔ ان دونوں مدرسوں کی سب سے خاص اور اہم بات یہ ہے کہ اُن میں کسی بھی طریقے سے طلبہ یا طالبات سے کسی بھی چیز کی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں مدرسے دھیرے دھیرے لوگوں کے نورِ نظر بنتے جا رہے ہیں۔

(۲) دینی و مذہبی جلسے اور کانفرنسیں:۔ اس کے تحت وقتاً فوقتاً دینی و ملی محافل و جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں: چنانچہ

☆۔۱۱/۶/۲۰۱۷ء کو ملکی سطح پر عالی شان کانفرنس بنام ''روحِ ایمان کانفرنس'' کا بمقام جوہاپورا، احمد آباد میں انعقاد ہوا، جس میں ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ راہ ہدیت تشریف لائے۔ ☆اسی طرح ۲۷/۲/۲۰۱۸ء کو بمقام مانڈل، احمد آباد میں ایک جلسہ بنام ''کشتیٔ نجات کانفرس'' منعقد ہوا۔ اس کے علاوہ موقع موقع سے راجستھان میں بھی کئی بار فاؤنڈیشن کی طرف سے دینی و ملی جلسے ہوئے۔

(۳) بہت سے رفاہی کام:۔ مثلاً: (۱) اجتماعی شادیاں کرانا۔ چنانچہ بھیلواڑہ، راجستھان میں بتاریخ ۱/۱/۲۰۱۸ء انجمن ہائر سکینڈری اسکول میں اجتماعی شادی ہوئی؛ جس میں ۴۶/جوڑے بشکلِ شادی بندھن میں بندھے اور اپنی حیاتِ انفرادی میں اجتماعی گل کھِلائے۔ (۲) رمضان شریف میں غلہ تقسیم کرنا اور اِس طرح سے غریب طبقوں کی امداد کرنا۔ (۳) گرمیوں میں عوام کے لیے جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے کولر لگانا۔ (۴) خصوصی طور پر بیواؤں کی ضرورتیں پوری کرنا۔ (۵) موسم گرما میں خاص طور سے مسجدوں میں کولر اور فریزوں کا انتظام کرانا۔ (۶) ضرورت مند بچوں

کی تعلیم، اور ان کے کھانے پینے کا ان کے گھر پہ ہی انتظام کرانا۔ (۷) مریض لوگوں کی دوائیں مہیا کرانا اور ان کا ہاسپٹل میں علاج کرانا۔ (۸) اجتماعی شادی کے علاوہ بھی انفرادی طور پر غریب بچیوں کی شادی میں مدد کرنا۔ مثلاً: کھانے کا انتظام اور سامانِ جہیز وغیرہ مہیا کرنا، اِس فاؤنڈیشن کے مقاصد میں شامل ہیں۔

اس کے علاوہ............

(۴) مساجد و مدارس کی خستہ حالی کو درست کرنا اور اُن میں ضروری چیزوں کا اہتمام:۔

(۵) باطنی وروحانی تربیت:۔ مثلاً: مردوں کے لیے ہر چاند کی ۲۸/شب میں ایک محفل سجتی ہے جو حضور قدوۃ الکبریٰ، محبوبِ یزدانی حضور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کی نسبت سے منعقد ہوتی ہے اور اس میں ذکر و اذکار، نعت و منقبت اور فاتحہ خوانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ یوں ہی ہر ہفتہ عورتوں کا ایک اجتماع فاؤنڈیشن کی جانب سے ہوتا ہے، جس میں مختلف شرعی عنوانات پہ اسلامی معلومات سے مستورات کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

(۶) علما و ائمہ کی حسبِ ضرورت امداد کر کے حوصلہ افزائی کرنا:۔

(۷) حکومتی سطح تک قوم کے درپیش مسائل سے حکومت کو آگاہ کرانا:۔

(۸) اشاعتِ کتب اور سارے اکیڈمک کام:۔

(۹) عوامی بیداری:۔

(۱۰) اور ملی بیداری:۔............ ہمارے منصوبے میں شامل و مندرج ہیں۔

یقیناً مبارک بادی کے مستحق ہیں تنظیم کے انقلابی اور عقابی صفت اراکین و ممبران، جنھوں نے مقاصدِ تنظیم کو فروغ دینے اور اُنھیں اوجِ ثریا تک لے جانے میں اپنے شب و روز ایک کر دیئے؛ کیوں کہ کسی بھی امرِ بدیع اور کارِ نو کو انجام دینے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ بدیہی اور غیر خفی ہے۔

اپیل: اہلِ خیر حضرات سے گذارش ہے کہ ہمارے عزائم ومنصوبہ جات کی تکمیل لیے بے لوث پیش قدمی فرمائیں اور فاؤنڈیشن کے دست و بازو کو مضبوط کریں۔

اخیر میں، مَیں دل کے نہاں خانے کے دریچے کو کھول کر یہ بات ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ؛ مجھے اِس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میں نہ تو کوئی فن کار ہوں اور نہ ہی کوئی خطیب، نہ زہرہ نگار قلم کار ہوں اور نہ ہی کوئی فکر انگیز ادیب۔ مگر پھر بھی میرے مشفق، کرم فرما مصنفِ کتاب نے اِس تاریخی کارِ خیر میں کسی بھی طرح خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اس لیے ان کا صمیمِ قلب سے ممنون ومشکور ہوں اور اِس نوازش کو اپنے لیے شفقت وکرم سمجھتا ہوں۔ اللہ عزوجل اُن کے علم وعمل میں مزید اضافہ فرمائے اور کتابِ ہٰذا کو مقبولِ عام وخواص بنائے اور حضرت کے سایۂ کرم و شفقت کو مجھ حقیر پر تادیر قائم ودائم فرمائے. **آمین بجاہ حبیبه الکریم صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم۔**

محمد افضل حسین اشرفی مصباحی سہرساوی

تقریظ حقیق

رئیس المحققین، عمدۃ المتکلمین، سند المفسرین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید

محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

جانشین حضور مخدوم الملت محدث اعظم ہند قدس سرہ، کچھوچھہ مقدسہ، (یوپی)

حامدًا ومصلیًا ومبسلمًا

اختلاف ایک فطری امر ہے، یہ ہر دور میں محدثین، متکلمین اور مفسرین وغیرہ کے درمیان رہا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ ساتھ ہی یہ کہ مرضیٔ الٰہی اور منشائے قدرت بھی یہی ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت کو اگر اختلاف پسند نہ ہوتا تو قرآن کریم میں جابجا ایسے الفاظ کا استعمال نہ فرماتا جو نہ صرف مشترک المعنی ہیں بلکہ بسا اوقات وہ معانی آپس میں متضاد بھی ہیں، اسی لیے احناف نے عورت کی عدت تین حیض قرار دی ہے جب کہ شوافع نے تین طہر۔ اور اہل سنت کے نزدیک دونوں ہی برحق ہیں۔ ظاہر ہے کہ قروء کے دونوں معانی اللہ عزوجل کے علم محکم میں پہلے سے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشأ ہوتا کہ احکام شرعیہ میں کوئی اختلاف رائے نہ ہوتو قرآن کریم میں بجائے قروء کے صراحۃً حیض یا طہر کا لفظ استعمال ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہا کے درمیان اختلاف مرضیٔ الٰہی ہے، مگر جو اختلاف منشائے الٰہی سے عبارت ہے، وہ اخلاص وللّٰہیت سے مشروط بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اختلاف حسن اخلاص اور صدقِ نیت پر مبنی ہو، اس پر ثواب وصلہ ملے گا اگرچہ اس کا نتیجہ درست نہ ہو۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے: ’’**اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران، واذا حکم فاجتهد فاخطأ فله اجر**‘‘ (بخاری شریف حدیث

نمبر۳۵۲۷، صحیح مسلم ۱۷۱۶) شرح فقہ اکبر میں ہے: **كان المخطی معذوراً فلمن اصاب اجران، ولمن اخطأ اجر واحد، كما ورد فی حديث آخر اذا اصبت فلك عشر حسنات وان اخطأت فلك حسنة**"(شرح الفقه الاکبر: ۲۳۱)

یہی وجہ ہے کہ امت کے اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب کسی اختلاف کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اختلاف نہیں بلکہ فراخ دلی کہو۔ چنانچہ حلیة الأولیاء میں ہے" **حدثنا حسين بن علي، عن موسى الجهني، قال كان طلحة اذا عنده الاختلاف قال: لا تقولوا الاختلاف، ولكن قولوا السعة**" (حلیۃ الأولیاء ۵، ص۲۱، رقم، ۶۱۶۶)

فتاویٰ شامی میں ہے: **ان الاختلاف من آثار الرحمة، فمهما كا ن الاختلاف اكثر كانت الرحمة اوفر. فان اختلاف ائمة الهدى توسعة للناس كما فی اول التاتار الخانية، وهٰذا يشير الى الحديث المشهور علىٰ السنة الناس، وهو " اختلاف امتی رحمة**" (ردالمحتار ۱ر۴۷)

علامہ ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ" فقہا کا اتفاق حجت قاطعہ اور اختلاف باعث رحمت اور فراخی ہے" جیسا کہ وہ رقم طراز ہیں: **وجعل فی سلف هذه الأمة ائمة من الاعلام مهد بهم قواعد الاسلام، وأوضح بهم مشكلات الاحكام، اتفاقهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة.**

(المغنی لابن قدامه ۱ / ۲۴)

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ کسی امر میں اختلاف واقع ہونے کی صورت میں کسی ایک ہی پہلو کو درست ماننے پر اصرار کرنا اور اُسے حق میں منحصر کرنا، یہ تقاضائے تحقیق اور طریقۂ علمی کے خلاف ہے۔ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں:

"اگر آپ انصاف سے کام لیں تو شاید آپ پر یہ بات روشن ہوجائے گی کہ وہ شخص جس نے کسی ایک ہی مجتہد کے قول پر حق کو منحصر کر دیا ہے تو وہ راہ کفر و تناقض

کے زیادہ قریب ہوگیا۔ کفر تو اس لیے کہ اس نے ایک فقیہ کو نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجے تک پہنچا دیا کہ جس کی موافقت کے بغیر ایمان ثابت ہی نہیں ہوتا ہے اور جس کی مخالفت سے صرف کفر ہی لازم آتا ہے۔ رہا تناقض تو وہ اس لیے کہ ہر مجتہد نظر و استدلال کو واجب اور تقلید کو حرام قرار دیتا ہے، پھر وہ مجتہد اس بات کا کیسے قول کر سکتا ہے کہ تم پر میری تقلید واجب ہے یا وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم پر غور وفکر کرنا لازمی ہے، مگر تمہیں وہی سمجھنا ضروری ہے جو میں نے سمجھا اور ہر وہ شئی جس کو میں دلیل قرار دوں تو تم پر واجب ہے کہ تم اس کو دلیل سمجھو اور میں جس کو مشتبہ قرار دوں تو تم پر واجب ہے کہ تم بھی اس کو مشتبہ سمجھو، تو اب ان دونوں میں کیا فرق ہوگا کہ ایک کہے کہ تم میرے مذہب میں میری ہی تقلید کرو اور دوسرا کہے کہ تم میرے مذہب اور دلیل دونوں میں میری تقلید کرو اور یہ صرف تناقض ہی ہوگا"۔

(فیصل التفرقة بین الاسلام و الزندقة، ص: ۳ر۴)

اِس طرح اکابر و اسلاف نے اختلاف کو باعثِ رحمت اور موجب فراخ دلی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں اپنے اپنے مواقف ونظریات کے سلسلے میں اصحاب علم وتحقیق کے مابین علمی وتحقیقی اختلافات رونما ہوئے اور مقبول ومشہور بھی ہوئے ہیں۔ کبھی اصاغر نے اکابر سے اختلاف کیا تو کبھی اکابر نے اصاغر سے، بلکہ اکثر وبیشتر اصاغر ہی نے اکابر سے اختلاف کیا ہے، اور اس کی وجہ سے علمی دائرے کو کافی وسعت اور تحقیقی میدان کو بڑی ترقی بھی حاصل ہوئی ہے۔ نیز اس کی وجہ سے اکابر واصاغر کے دیرینہ تعلق و روابط، مخلصانہ محبت ومودت اور دینی ہمدردی وخیر خواہی میں کوئی کمی یا فرق نہیں آیا اور نہ ہی اس طریقے کو غیر محمود اور ناپسندیدہ سمجھا گیا، بلکہ اکابر نے اس طریقۂ کار کی تحسین اور قدر فرمائی ہے۔

زیر نظر کتاب "**رحمتِ اختلاف**" اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند عزیز القدر مولانا حافظ وقاری سید محمد نورانی اشرفی جیلانی

سلمہ الباری نے اختلافات کے تمام گوشوں کا علمی، فقہی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے بڑی عرق ریزی اور جہد مسلسل کے بعد اس کو مرتب کیا ہے۔ کتاب کا اسلوب نگارش نہایت عمدہ، انداز بیاں پُرکشش اور حسن ترتیب معیاری ہے۔ کتاب کے بعض اقتباسات کو دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوئی، دل ٹھنڈا ہواا اور آنکھیں اشک بار ہوئیں۔ موصوف کی اگرچہ یہ پہلی تحریری کاوش ہے مگر تحقیقی منہج دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ برسوں سے اس میدان کے شہسوار ہیں۔

عزیز موصوف جوان سال عالم، جواں ہمت مبلغ، شیریں مقال واعظ، خوب گوشاعر اور سنجیدہ فکر ومزاج کے مالک ہیں، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ کے نقوش و خطوط پر قائم ہیں۔ مستقبل میں ان سے کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تبارک و تعالیٰ اشرف الانبیا ﷺ کے صدقہ و طفیل دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ فقط۔

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
جانشین حضور محدوم الملت محدث اعظم ہند
مورخہ: ۲۸ رفروری ۲۰۱۹ء

تقریظِ شفیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیاحِ عالم، شہنشاہِ اقلیم خطابت، شہسوارِ میدان فصاحت و بلاغت، غازئ ملت

حضرت علامہ الشاہ **سید محمد ہاشمی الاشرفی الجیلانی**، شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ، مدظلہ العالی۔

عزیز القدر، قرۃ العین حافظ وقاری، نئی نسل محدثِ اعظم ہند کا خطیبِ اعظم، نگاہِ اربابِ علم وفن میں تاج العلماء اور میرے فرزند حقیقی سید محمد نورانی اشرفی جیلانی، خلیفۂ حضور سرکار کلاں علیہ الرحمہ والرضوان کی پہلی علمی وتحقیقی کتاب بنام "**رحمتِ اختلاف**" نظر نواز ہوئی۔

اُسلوبِ بیان، تحقیقی اور منطقی استدلال کے ساتھ مصادر ومراجع سے مزین تحریر پڑھ کر میں نے سب سے پہلے اپنے رب کا سجدۂ شکر ادا کیا کہ میری پرورش وتربیت سے وہ آج اتنی صلاحیت والا ہوگیا ہے کہ خاتم الانبیا، صحابہ وتابعین کے ادوار میں جو فقہی، علمی اختلافات تھے، ان کی سچائی کو اِس انداز سے پیش کرے کہ حق بھی ظاہر ہوجائے اور کسی کی تخفیفِ شان بھی نہ ہونے پائے۔

☆ اختلافِ حقیقی اور اختلافِ غیر حقیقی کے اقسام۔
☆ دینی اور دنیوی اختلاف کی حقیقت۔
☆ متخاصمین کا عنداللہ ماجور ہونا۔
☆ اختلافِ محمود واختلافِ مذموم کی وضاحت۔
☆ اختلاف اور نزاعِ لفظی کا فرق۔

☆ جنتی اور جہنمی فرقہ کی وضاحت۔

☆ خطاونسیان کی حقیقت۔

☆ اختلاف، تاریخ اسلام کی روشنی میں۔

اِن سب کو کتاب و سنت ،صحابہ و تابعین کے ارشادات کی روشنی میں بیان کرنا، بڑی محنت اور خداداد صلاحیت کا کام ہے۔

اس کتاب میں آپ کو جابجا مثالیں ملیں گی کہ: حضور ﷺ کے ارشاد کو سن کر صحابہ کی جماعت عملاً دو حصوں میں بٹ گئی۔ بنو قریظہ کے لیے نمازِ عصر کا معاملہ ہی لے لیجیے۔ اسی کی ایک کڑی جو سب سے بڑے اختلاف کی صورت میں مقامِ ’’ثقیفہ بنی ساعدہ‘‘ میں رونما ہوئی مسئلۂ خلافت ہے۔

اسی طرح مرتد گرفتار شدگان کے بارے میں حضرتِ ابوبکر اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اختلاف، حضراتِ شیخین کا مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں اختلاف اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود کا حالتِ رکوع پر حضرت عمر سے اختلاف۔

......بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود اور حضرتِ عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تقریباً ۱۰۰؍ سے زیادہ مختلف فیہ مسائل ہیں۔ درجہ میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ **افضل البشر بعد الانبیاء والصدیق** ہیں؛ مگر اختلافِ محمود میں حضرتِ عبداللہ بن مسعود نے درجہ نہیں، بلکہ دلائلِ شرعی پر اپنی نظر رکھی۔ دوسری جانب حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن کو قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف کے ساتھ ساتھ، باقی صحابہ میں بھی کیا کیا اختلافات تھے، یہ کتاب آپ کو اُن کی تفصیل بتائے گی۔ جنھیں انتہائی محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد یکجا جمع کیا گیا ہے۔ یہ سب وہ کام ہیں جو مصنف کو ان کے ہم عمر علما سے ممتاز و منفرد بناتا ہے۔

نیز ماضی قریب میں **علما اور مشائخ** کے درمیان ہونے والے اختلافات کا جو مختصر

جائزہ پیش کیا گیا ہے، وہ انتہائی اہم ہے۔ کیوں کہ بڑی تفصیل سے اُن وجوہات کو بھی بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے رحمت بھرے اختلاف کو بھی مذموم وفتنہ بنا دیا۔

محمود کس طرح مذموم ہونے لگا؟ نیز اختلاف کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ ان سب کی تشخیص کرتے ہوئے مصنف نے جن وجوہات کو بیان ہے، اُن میں یہ سب وجوہات قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) دلیل سے ناواقفیت

(۲) دلیل کو بھول جانا یا ذہول وغفلت

(۳) دلیل کا ثابت نہ ہونا

(۴) دلیل کا مقصود پر دلالت نہ کرنا

(۵) نصوص کی دلالت کے اقسام

(۶) راجح معارض کا پایا جانا

(۷) خواہشِ نفس وتعصب

(۸) ذہانت وتشخص کا فرق

(۹) مَبلغِ علم کا فرق۔۔۔۔۔ اِن سب کی تفصیل و معلومات کا ایک مفید ترین سرمایہ کتابِ ہٰذا میں بسا ہوا ہے۔

ایسے ہی اختلافاتِ ممدوحہ کی مدحت اور ان کے فوائد کی تفصیل، علمائے کرام کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ اسی کے ساتھ دورِ حاضر میں مذموم اختلاف سے بچنے کے لیے جو ایک مختصر دستور العمل، مصنف نے پیش کیا ہے، وہ میل کا پتھر ہے اور طلبائے مدارسِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اور جن اختلافات کا ذکر اس کتاب میں نہیں ہے، ان پر ایک طائرانہ نظر

حضرت شیر بشیہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں عاشق الرسول، کا تحریری بیان ترجمانِ اہلسنت، مخزنِ ہدایت میں موجود ہے، جسے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل مارہروی

علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے استاد و معلم حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی رضی اللہ عنہ کا رسالہ ''**اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب**''. پھر اس کے جواب میں حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا رسالہ ''**شرح المطالب فی مبحثِ ابی طالب**'' دونوں چھپ کر شائع ہوئے۔

حضرات مارہرہ مطہرہ، خصوصاً حضرت شمس الملۃ والدین شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ صاحبِ سماع اور وجد وحال بزرگ تھے۔ حضرت اچھے میاں سے کمال عقیدت کے باوجود، اعلیٰ حضرت کا فتویٰ، مع مزامیر سماع کے خلاف ہی تھا۔

اکابرِ بدایوں شریف اور اکابر بریلی شریف کے اختلافات تو چھپے ہوئے ہیں، جیسے ''جزاہ اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ'' ''بدایونی غصہ کے حق جواب۔ شافی جواب۔ میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ لیکن کچھوچھہ مقدسہ اور بریلی شریف کا اتحاد اپنی مثال آپ تھا۔ اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی، عاشق رسول حضرت حسن رضا خاں صاحب بریلوی کے فرزند سعید، حضرت حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ جو ''شبیہ غوث پاک'' سے مشہور تھے، اعلیٰ حضرت سے ان کی محبت و شفقت آنکھوں دیکھی ہے۔ حضرت اشرفی میاں سرکار کچھوچھہ مقدسہ کے فرزند ارجمند، فاضل اجل، عارف اکمل حضرت مولانا شاہ احمد اشرف قدس سرہ تھے۔ ان کو ابتداءً تلمذ، اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ سے حاصل ہوا۔ ان کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں محبوبیت کی خصوصی جگہ ملی ہوئی تھی''۔ (سیرت اعلیٰ حضرت)

حضرت حسنین رضا نے اسی سیرت پاک میں اعلیٰ حضرت کے حلقہ کے علما کے ذیل میں لکھا ہے:

''اعلیٰ حضرت کے حاشیہ کے اور بھی علما ہیں۔ سب کا ذکر طویل ہو جائے گا؛ مگر میں **حضرت مولانا سید احمد اشرف** کا یہاں ذکر ضرور کروں گا۔ اعلیٰ احضرت ان کو

اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ ان کے جیسا خوش بیان واعظ پھر نہیں دیکھا''۔

شہزادۂ امین شریعت علامہ محمود احمد رفاقتی لکھتے ہیں:

''حضرت حسنین میاں قبلہ نے حضرت اقدس محدث اعظم قدس سرہ کا ذکر بھی سیرت اعلیٰ حضرت میں فرمایا ہے اور بڑی محبت سے فرمایا ہے کہ آپ بھی کارافتا کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور آسمانِ شہرت پر آفتاب وماہتاب کی طرح مدتوں چمکتے رہے۔ دل نیاز مند کی بے تابیاں دیکھئے۔ بے تابی نے محدث اعظم ہند کے جانشین کا بھی ذکر کرا دیا اور لکھنے لگے۔ ان کی رحلت سے تبلیغ ملت اسلامیہ میں جو کمی ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ ان کے جانشیں سے اس خلا کو پُر کرے جو ملک کی فضا کو نعرہائے تکبیر سے بھر دے۔''

اگر آپ ماضی قریب پر بھی نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ حضور مفتی اعظم ہند کے مبارک عہد میں بھی محمود اختلافات رہے۔ مثلاً حج کے لیے فوٹو کھینچوانے کے سوال پر حضور مفتی اعظم ہند نے اسے حرام قرار دیا تھا اور اجمل العلماء مفتی اجمل شاہ صاحب رضوی نے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اسی طرح نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں صاحب نے ناجائز قرار دیا تھا اور انہیں کے مرید وخلیفہ استاذ العلماء حضرت مفتی سید افضل حسین رضوی نے اپنی تحقیق کے ذریعہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔

اس کے باوجود عقیدت ومحبت میں کہیں، کسی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تینوں حضرات ایک دوسرے کی قدر کرتے رہے اور باہمی تعظیم واحترام کا سلسلہ جاری رہا۔

کاش! ویڈیو اور ٹی وی کے شرعی استعمال کے معاملہ میں بھی بصورت اختلاف، حضور مفتیٔ اعظم ہند، حضور اجمل العلماء اور حضور استاذ العلماء کی عملی زندگی کو پیش نظر رکھا جاتا۔ کاش! اختلافی مسائل میں متخاصمین کو عنداللہ ماجور مان کر، کسی کی تخفیف شان نہ کی جاتی۔ کاش! عہد نبوی، عہد صحابہ وتابعین میں اختلافات کے باوجود آپس میں اخوت ومحبت اور تعظیم واحترام کی جو صورت تھی، اسی کو اپنایا جاتا۔ کاش! امام فضل حق، امام عبدالقادر، امام احمد رضا، حجۃ الاسلام حامد رضا، مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا، اجمل العلما اور مفتی افضل حسین جیسے اکابر کی روش کو اپنایا جاتا، تو اہل سنت وجماعت کے پچھلے تقریباً تیس سال برباد نہ

ہوئے ہوتے!

میں صمیم قلب سے عزیز القدر، نور چشم نورانی میاں کے لیے دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انھیں مزید تحقیقی کتابیں لکھنے کی توفیق دے اور مزید مطالعۂ کتب کا ذوق وشوق عطا فرمائے؛ تاکہ اس نئی نسل کے علما اور عوام دونوں کو فائدہ پہنچے۔ اور یہ کتاب نورانی میاں کے لیے توشۂ آخرت بن جائے۔

نورانی میاں نے جس محنت شاقہ سے مصادر ومراجع کو جمع کیا، تحقیق وتدقیق کے مراحل سے گذرے، عہد نبوی سے عہد حاضر تک مسائل مختلفہ کو حسب ضرورت بیان کیا اور جس قدر محتاط اسلوب بیان واختیار کیا، اس سے مجھے اب یقین ہونے لگا ہے کہ انھوں نے مدارس بالخصوص مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی ومفتی عبدالجلیل اشرفی رحمھما اللہ تعالیٰ کے زیر سایہ رہنے کے علاوہ تین سال اور چند ماہ ''جامعہ صدام حسین للعلوم الاسلامیہ بغداد شریف'' میں جو پڑھا، وہ ان شاءاللہ خطابت کی کثرت اور مریدوں میں مصروفیت کی وجہ سے ضائع نہیں ہوگا۔

نورانی میاں کے گھر میں ہی اس کی بہترین نظیر خودان کے حقیقی بڑے ابو، حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید محمد مدنی مدظلہ العالی کی ذات مبارکہ ہے، جو ایک ہی وقت میں زبردست خطیب، بے شمار کتابوں کے مصنف اور لاکھوں مریدوں کے پیرومرشد ہیں۔ نورانی میاں کے لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ اپنے بڑے ابو کو اپنے لیے نمونۂ حیات بنائیں۔

خاندان اشرفیہ میں تنہا حافظ قرآن ہونے کی سعادت انھیں حاصل ہو چکی ہے۔

اب تقریروں کے ساتھ ساتھ صاحبِ تصانیف کثیرہ بننے کی طرف قدم بڑھاتے رہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ ان کے حقیقی دادا حضور محدث اعظم ہند اور پیرومرشد مخدوم المشائخ حضور سرکار کلاں کی روحانیت، دستگیری فرماتی رہے گی۔

فقیر چشتی وگدائے اشرفی

سید محمد ہاشمی اشرفی چشتی جیلانی

مورخہ ۱۵؍جنوری ۲۰۱۹ء بروز منگل دوران سفرِ گجرات

تقریظ انیق

پیر طریقت، رہبر شریعت، قائد ملت حضرت
علامہ سید محمود اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

(سجادہ نشیں: آستانۂ عالیہ اشرفیہ حسنیہ، کچھوچھہ مقدسہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''**ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینٰت واولئک لھم عذاب عظیم**''۔ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور واضح نشانیاں آنے کے باوجود اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس آیت میں خیر امت کو اختلاف وانتشار سے روکا جا رہا ہے، گروہ بندی اور ٹکڑوں میں بٹنے سے منع کیا جا رہا ہے، بکھرنے اور خس وخاشاک کی طرح بہنے پر قدغن لگایا جا رہا ہے۔ آیات الٰہیہ میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے، حکمِ الٰہی کو پس پشت ڈالنے کا انجام سنایا جا رہا ہے۔ رب کائنات کے بے پایاں احسانات میں سے ایک بڑا فضل اور احسان یہ بھی ہے کہ اس نے بعثت نبوی کے ذریعہ باہمی نفرت وعداوت کو ختم کرکے الفت ومحبت اور شرافت واخوت کا انہیں محور بنایا۔ ''**فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمتہ اخوانا**'' اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا جس احسان کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

یہ امر بالکل عیاں ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بحث وتحقیق اور اجتہاد میں اختلاف ہوا۔ جیسا کہ بنو قریظہ کیلئے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بانگ درا لگائی تو صحابۂ کرام سے یہ فرمایا: ''عصر کی نماز بنو

قریظہ پہونچ کرادا کی جائے‘‘ چنانچہ حق کے پروانوں کا یہ قافلہ روانہ ہوا اور راستے ہی
میں کسی منزل پر پڑاؤ ڈال کران میں سے چند نے عصر کی نماز ادا کرلی؛ کیوں کہ وقت عصر
ختم ہورہا تھا۔ جب کہ دوسرے صحابہ نے ایسا نہیں کیا اور وہ بنو قریظہ پہونچ کر ہی نماز
پڑھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے دونوں فریق
کی تحسین فرمائی اور قوت اجتہاد پیدا کرنے کا مژدہ سنایا۔ ’’**اذا اجتهد العالم فأصاب
فله اجران وان اخطأفله اجر**۔‘‘ جب عالم اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں حق پر ہو تو
اس کیلئے دو اجر ہے اور اگر اس سے چوک ہو جائے تو پھر اس کیلئے اس میں بھی ایک اجر
ہے۔

اس تاریخی پس منظر سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف بلاشبہ
رحمت کا باعث ہے اور کیوں نہ ہو! اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف میں بہت سی حکمتوں کو چھپا رکھا
ہے۔ قرآن اسلامی علوم وفنون کا پہلا سرچشمہ ہے، ادلۂ شرعیہ میں سے پہلی اور اوّل دلیل ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ قرآن کے تعلق سے فرمایا: ’’**انزل القرآن علی
سبعة احرف فاقرء وا علی ماتیسر منها**۔‘‘ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا تو ان
میں سے جو آسان ہو اسی کے مطابق پڑھا کرو۔ محققین علما نے اس بابت یہ فرمایا ہے:
لہجاتِ قرآن، کیفیتِ نطق، اختلاف افعال اور اسما میں بڑے اہم اور سودمند فوائد ہیں جن
میں سے دو کو تیسیرِ حفظ اور تدریج تربیت کا نام دینا موزوں اور مناسب ہے۔

ابھی میرے سامنے ایک کتاب ’’ **منهج الاسلاف فی موقع الاختلاف**‘‘
معروف بہ رحمتِ اختلاف ہے۔ جسے نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ، عزیز القدر
حضرت مولانا حافظ وقاری سید شاہ نورانی اشرف جیلانی نے ترتیب دیا ہے۔
موصوف اپنے گوناگوں اوصاف وکمالات کی بنیاد پر محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کتاب
میں انہوں نے جو تاریخی حقائق اور واقعات جمع کیے ہیں اور ان سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے
وہ یقیناً فقہ واجتہاد کے آداب اور اخلاقی اقدار بحال کرنے پر غماز ہے۔

مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں صمیم قلب سے دعا گو ہوں کہ یہ کتاب خاص وعام کے
لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہو اور موصوف کو ’’ **نیة المؤمن خیر من عمله** ‘‘ کے
بموجب رب کائنات اجرِ کثیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقیر اشرفی گدائے جیلانی

سید محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی

سجادہ نشیں آستانہ عالیہ اشرفیہ وسرپرست اعلیٰ جامع اشرف، کچھوچھہ شریف

مورخہ ۳/مارچ ۲۰۱۹ء

تقریظ لئیق

فقیہ النفس حضرت علامہ ومولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی

زیرِنظر کتاب **''رحمت اختلاف''** خانوادۂ اشرفیہ کے چشم و چراغ، جواں سال فاضل، نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند، فاضل بغداد مولانا سید محمد نورانی اشرفی جیلانی زید مجدہ کی محنتوں، کاوشوں اور فکر وفن کا جامع نمونہ ہے، جس میں فاضل موصوف نے آدابِ اختلاف اور اختلافِ مذموم ومحمود کا تعارف بھی کرایا ہے اور عہد صحابہ سے لے کر ماضی وحال تک کے اختلافات کا سرسری جائزہ لے کر اختلاف مذموم کو ترک کرنے اور اختلاف محمود کو اپنانے پر زورِ قلم صرف کیا ہے۔ اربابِ علم اور اصحابِ قلم سے آدابِ اختلاف کو ملحوظ رکھنے کی مصنف نے بار بار التجا وگزارش بھی کی ہے، جسے ہم نزاعی امور میں خاص کر علمی بحثوں، مناقشوں، اور مناظروں میں اہل سنت وجماعت کی شیرازہ بندی کے لئے گراں مایہ کوشش سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں، جس کے خدوخال سے خلوص، للّٰہیت اور سلامتی طبع کی نورانی شعائیں محسوس کی جاسکتی ہیں۔

اختلاف اگر آدابِ اختلاف کی رعایت کے ساتھ ہو تو یہ کسی بھی دور میں مذموم نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ اللہ عزوجل نے اذہان کی ساخت ہی ایسی متنوع رکھی ہے کہ وہ تمام احکام ومسائل میں یکساں سوچ نہیں سکتے، اصول وعقائد میں متفق ہونے کے باوجود بہت سے فروعی مسائل میں مختلف الخیال بھی ہوں گے، اسی فطری تقاضے اور طبعی داعیے کی بنا پر اختلاف کو **رحمت** بتایا گیا ہے، علم و دیانت کے حلقوم

پر چھری چلانے والوں کا اختلاف یقیناً مذموم ہوتا ہے۔ لیکن اختلاف کرنے والے کے اندر اگر تقویٰ، خوف خدا، حسابِ آخرت کی جواب دہی کا زندہ تصور، دیانت وامانت، قوت تحمل اور فہم سلیم جیسے اوصاف ومحاسن ہوں تو پھر اختلاف ہرگز مذموم نہیں ہوتا، ایسوں کا اختلاف ہی **''اختلاف امتی رحمة''** کا مصداق ہوتا ہے، جس کی فاضل مصنف نے متعدد مثالیں عہد صحابہ سے لے کر عہدِ ماضی قریب تک کی یکجا کردی ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجتہادی اختلافات، خواہ وہ مسائلِ شرعیہ سے متعلق ہوں یا اُن کے باہمی مشاجرات، یا تابعین وتبع تابعین وائمۂ مجتہدین کے فقہی اختلافات ہوں، اِن سب کو فاضلِ بغداد نے اختصار وجامعیت کے ساتھ سپردِ قرطاس کردیا ہے۔

عہد موجود میں ابھرتے ہوئے ناگفتہ بہ اختلافات [جن کی وجہ سے جماعت اہل سنت کے حالات ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار ہوئے، ماحول کے جغرافیے میں تیزی کے ساتھ تبدیلی ہوئی، اور اتحاد ویگانگت کے قلعے میں انتشار وافتراق کے فتنے شگاف ڈال دیئے] کے تناظر میں عالمانہ متانت لیے ہوئے علمی وفکری مواد پر مشتمل یہ کتاب محمود ومستحسن اختلاف کے حوالے سے ایک کھلی دعوت ہے، جسے وہی قبول کریں گے جن کی طبیعت میں پاکیزگی، شرافت، متانت اور خلوص ومحبت کارفرما ہو۔

یہ فاضل مصنف زید مجدہ کی غالباً پہلی تصنیف ہے، مگر زبان وبیان سے اسلوب کی پختگی جھلکتی ہے، اہم کتابوں کے مندرجات کو موضوع کی مناسبت سے اپنے ہدف کے مطابق استعمال کرنے میں موصوف نے جو علمی انداز اپنایا ہے، وہ ان کے عالمانہ فکر ونظر کا پتہ دیتا ہے......اگر......سلسلۂ تصنیف وتالیف جاری رکھا گیا، تو متنوع موضوعات پر بہت سے مفید کتب ورسائل مرتب ہوکر منظرِ عام پر آسکتے ہیں۔

خدا کرے میری نخل آرزو بار آور ہو اور یہ کتاب مقبول خاص وعام ہو کر مفید سے مفید ترین ثابت ہو۔ ع

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

دعا جو وگو

آل مصطفیٰ مصباحی

خادم تدریس وافتا

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی

۱۱؍جمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ۔ ۱۷؍فروری ۲۰۱۹ء

تعارفِ مصنف

نبیرۂ حضور محدثِ اعظم ہند، شہزادۂ غازیٔ ملت، تاج العلماء حضرت علامہ حافظ وقاری **سید محمد نورانی** میاں اشرفی جیلانی، برصغیر ہند وپاک کے اُن مشاہیر علما میں سے ایک ہیں، جو بالغ نظر اور دیدہ ور اہلِ علم کے نزدیک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ عوام وخواص میں آپ کی حیثیت صرف ایک عالم، مقرر وواعظ اور پیر ومرشد ہی کی نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ساتھ آپ کو عظیم اسلامی اسکالر، مذہبی مفکر اور عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا شاعر بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ملی قائد اور قومی رہنما بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ خاص اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ اکابرین ومعاصرین میں یکساں مقبول اور اپنوں اور غیروں کے ہر طبقہ میں معروف ومشہور ہیں۔

☆ **نام**:۔ آپ کا ولادتی نام ”سید محمد نورانی“ ہے۔

☆ **کنیت**:۔ آپ کی کنیت ”ابوالفیض“ ہے۔

☆ **تخلص**:۔ آپ نے اپنا تخلص ”نور“ پسند فرمایا۔

☆ **لقب**:۔ آپ کا لقب ”تاج العلماء“ ہے۔

☆ **والد کا نام**:۔ غازیٔ ملت، شہنشاہِ خطابت حضرت علامہ سید شاہ محمد ھاشمی اشرفی جیلانی ہے۔

☆ **والدہ محترمہ کا نام**:۔ سیدہ مبشر النساء۔

☆ **جائے پیدائش**:۔ آپ کی پیدائش صوبہ اتر پردیش کے دینی وعلمی خانوادہ (خانوادۂ اشرفیہ میں) بمقام (ٹانڈہ) ضلع، امبیڈکر نگر، یوپی میں ۲۷؍جنوری ۱۹۷۶ء بمطابق ۲۴؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ بروز منگل ہوئی؛ جو کچھوچھہ مقدسہ سے تقریباً ۱۴؍کلو میٹر دور ہے۔

☆**تعلیم**:۔آپ کی ابتدائی دینی تعلیم مثلاً: ناظرۂ قرآنِ پاک،اردو وغیرہ نانی جان اور والدہ محترمہ کی تربیت وآغوشِ شفقت میں ہوئی۔اور دنیوی تعلیم کچھوچھہ مقدسہ ہی کے جونیر ہائی اسکول میں ہوئی۔

بعدِ ازاں،حفظِ قرآن کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لیے دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا،ضلع بستی ، یوپی کی جانب ۱۱رسال کی عمر میں رختِ سفر باندھا۔اور پھر یہ تعلیمی سفر،آپ کو پے در پے کامیابیاں عطا کرتا گیا۔چنانچہ:

۱۹۹۱ء میں آپ نے حفظِ قرآن مکمل کرلیا۔اور ۱۹۹۲ء میں قرات کی تعلیم بھی مکمل ہوگئی۔

اور پھر سن ۱۹۹۲ء سے لیکر ۱۹۹۹ء تک درسِ نظامی کی تعلیم مختلف اداروں میں رہ کر حاصل کی۔اُن اداروں میں دارالعلوم اہلسنت جبل پور الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی،فیض آباد اور دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی ہیں۔

☆**فراغت**:۔لیکن آپ کی فراغت سن ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم اہل سنت جبل پور۔ایم پی۔سے ہوئی۔...........مگر جب مزید اکتسابِ علم کے شوق نے آپ کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا،تو آپ مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اب ہندوستان نہیں، بلکہ بیرونِ ملک مدینۃ الانبیاء والاولیا، بغداد شریف (عراق) کو اپنے حصولِ تعلیم کا مرجع ومصدر بنایا اور پھر کیا تھا! بس والدین،مشائخِ خاندان اور اساتذۂ کرام کی دعائیں لیتے ہوئے اپنے محبوب وطن کو محض فی سبیل اکتساب العلم خیر آباد کہہ دیا۔اور وہاں پہونچ کر بارگاہِ غوثیت میں حاضری دی اور اپنے حصولِ تعلیم کے اُس قلبی شوق وتڑپ کو پیش کردیا، جو آپ کو یہاں کھینچ لایا تھا۔اور پھر اجازت لے کر ''**جامعہ صدام للعلوم الاسلامیہ**'' بغداد شریف میں درجہ ''**تخصص فی الفقہ الاسلامی و اصولہ**'' میں داخلہ لیا۔اور مسلسل وہاں تین سال اور چند ماہ رہ کر اِس محنت طلب کورس کو بزبانِ عربی ۲۰۰۳ء میں مکمل کرلیا۔

علم دوستی اور اس کی رفاقت سے جدائی کے متعلق ابھی بھی سوچا نہیں تھا؛ مگر حالات نے مجبور کیا۔اور پھر خاندانی اسلاف کی ماجور،قابلِ ستائش اور نا قابلِ فراموش عظیم ذمہ داری، دعوت وتبلیغ کو آپ نے بھی اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر اپنانا شروع کیا۔اور اب تک بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

حضرت سے میری، میرے لیے سعادت نواز پہلی ملاقات، یوپی کے ادبی و علمی شہر مئو میں ہوئی۔نورانی متبسم چہرہ اور اندازِ تکلم آپ کی خاندانی وذاتی علمی وجاہت، بے شمار اسفار کے باوجود کثرتِ مطالعہ،علمی درک،فقہی فہم اور شریعت وطریقت کی مشترکانہ تربیت کی گواہی دے رہا تھا۔آپسی علمی گفتگو اور بالخصوص فقہی مسائل کے سلسلے میں آپ کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ آپ صرف ''**نور النفس**'' ہی نہیں، بلکہ ''**نور العلم و العوام**'' بھی ہیں۔اور علومِ شریعت میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔

اساتذۂ کرام

اساتذۂ شعبۂ حفظِ قرآن:

حضرت حافظ وقاری شاہ روم صاحب وحضرت حافظ وقاری غلام غوث الوریٰ صاحب۔

اساتذۂ شعبۂ قرات:

وہ قرائے کرام جن کے زیر سایہ حضرت نے روایتِ حفص اور قراتِ سبعہ کی تکمیل کی، اُن میں اول الذکر مجودِ اعظم حضرت علامہ قاری احمد ضیا ازہری رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ القراء حضرت قاری مطلوب عالم رضوی صاحب ہیں۔

اساتذۂ درسِ نظامی:

آپ نے درس نظامی کی تکمیل کے حوالے سے ملک و بیرون ملک کے کئی مشاہیر علما و اساتذہ سے اکتساب علم کیا، جن میں چند مخصوص حضرات یہ ہیں:
شمس العلماء حضرت علامہ مفتی غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی عبدالجلیل صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع علوم و فنون حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی صاحب قبلہ۔ فضیلۃ الشیخ الدکتور استاذ ھاشم البغدادی۔ فضیلۃ الشیخ الدکتور عیسیٰ البغدادی اور امام النحو، سماحۃ الشیخ الدکتور کامل البغدادی وغیرہ ہیں۔

امتیازی خصوصیت:

آپ کی وہ سب سے نمایاں اور اہم خصوصیت، جو آپ کو اپنے خانوادے میں ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ہے بالخصوص مخدوم المشائخ حضور سرکار کلاں علیہ الرحمۃ والرضوان، اور بالعموم جملہ مشائخِ اشرفیہ بشمول حضور شیخ اعظم، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضور قطب المشائخ وحضور غازئ ملت وغیرہم جیسی قدسی صفات اور عبقری شخصیات کا مسلسل آپ کی اقتدا میں ۴؍سال، سن ۱۹۹۳ء سے لیکر ۱۹۹۶ء تک نمازِ تراویح ادا کرنا اور قرآن پاک سننا ہے۔ اس پر عظمت و رفعت عطا کرنے والی مستزاد بات، یہ ہے کہ آپ نے تراویح کے سالِ اول ۲۱؍رمضان المبارک ۱۹۹۳ء میں جملہ مشائخ کی موجودگی میں حضور مخدوم المشائخ سرکار کلاں کے دستِ اقدس سے اپنی عمر کے سولہویں سال ہی میں خلافت طریقت حاصل کیا۔ اور جملہ مشائخ کی دعاؤں سے اکتسابِ فیض کیا۔

میدانِ دعوت وتبلیغ میں ورودِ مسعود:

اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں کہ اشاعتِ دین اور تبلیغ اسلام کا سب سے عظیم اور کامیاب ذریعہ **وعظ وتحریر** ہے۔ انہی دونوں کی بنیاد پر اُفقِ عالم پر ایمان کی تابانی پھیلی اور اسلام کا پرچم بلند ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مبلغینِ اسلام نے سب سے زیادہ تبلیغ دین کے لیے قرطاس وقلم اور موعظت وخطابت ہی کا سہارا لیا ہے۔
اُنہیں مبلغینِ اسلام اور خاندانی اسلاف کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے آپ بھی میدانِ خطابت میں سن ۲۰۰۳ء کے اواخر میں جلوہ گر ہوئے۔ اور دیکھتے دیکھتے واعظوں اور خطیبوں کے صفِ اول میں اپنا شمار کرالیا اور ایک عالَم کو اپنے اندازِ بیاں و لب ولہجہ کا گرویدہ بنالیا۔
چند دہائی پیشتر مسلمانوں نے جس طرح دینی جلسوں اور کانفرنسوں سے اپنی وارفتگی اور شیفتگی کی نظیریں پیش کی ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ مگر ادھر چند سالوں سے وہ جذبۂ دینی سرد مہریوں کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔ کل تک جو قوم دینی اور مذہبی اجلاس کے نام پر اپنے دل وجان کے خزانوں کے دہانے کھول دیا کرتی تھی، آج وہ اس سے کنارہ کشی میں عافیت کیوں سمجھ رہی ہے؟ اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟
میرے خیال میں اس کی وجہیں یہ ہیں:
پیشہ ور مقررین اور کم خواندہ خطبا کا اِس مقدس وادی میں قدم رکھنا، اُن کے دستِ طلب کا دراز ہونا، نارواسلوک اور بے جا نازنخروں کا اظہار کرنا۔ جس کی وجہ سے روز بروز عقیدت کی دیواریں منہدم ہوتی جارہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب مجلسوں سے روحانی کیف وسرور عنقاء ہوتا جارہا ہے، نشستن، شنیدن، خندیدن اور برخاستن کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
مگر اس سنگین ماحول و مضطرب دور میں بھی کچھ مبلغین وواعظینِ اسلام ابھی

بھی ہیں، جو دعوت وتبلیغ کا فریضہ بڑے ہی احسن طریقہ سے انجام دے رہے ہیں۔
اُنھیں نفوسِ قدسیہ میں ایک اور ذاتِ بابرکت ہے، جنھیں دنیا نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند، شہزادۂ غازیٔ ملت، تاج العلماء سید محمد نورانی اشرفی جیلانی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ جن کے علمی مقام، خاندانی شرافت، ذاتی اخلاق وکردار کے اقرار کے ساتھ ساتھ خطابت کی سحر انگیزی اور اثر آفرینی کا زمانہ معترف ہے۔ کیوں کہ آپ کی خطابت اپنے موضوعات کے تنوع، اندازِ بیان کی وضاحت اور دلکشی اور مضامین کی جامعیت کی بنا پر مفید اور گراں قدر ہوا کرتی ہے۔ اور آپ کی خطابت کا اندازِ بیاں ولب ولہجہ ایسا واضح ہوتا ہے کہ سامعین، دماغ پر زور ڈالے بغیر آپ کی باتیں سمجھتے چلے جاتے ہیں۔ اور آپ جو کہنا چاہ رہے ہوتے ہیں، الفاظ اس کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔

میں نے بذاتِ خود اُن کی موعظت وخطابت میں جو جو خوبیاں دیکھی ہیں، اُنھیں بلا مبالغہ آرائی کے قلم بند کر رہا ہوں:

(۱) آپ کی گفتگو ہمیشہ وقت وحالات کے پیشِ نظر ہوا کرتی ہے۔ مواد میں جامعیت کا مرقع اور اندازِ بیاں ایسا پُر کشش ہوتا ہے ، جو منتشر اذہان کو مطمئن اور پراگندہ دماغ کو سنوارنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ وقت کے سلگتے مسائل کا دینی اور مذہبی حل اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اسلام کی سربلندی وسرفرازی کا سامان بھی ہوجاتا ہے اور شُرکائے اجلاس کی فکر واعتقاد میں پختگی، قلب وروح میں بالیدگی اور عقل وشعور میں تابندگی پیدا ہوجاتی ہے۔

(۲) کسی بھی موضوع یا نکتے کو تمثیلات، بامعنی مترادفات، قصص و واقعات، برمحل اشعار سے اِس طرح دلچسپ بنادیتے ہیں کہ سامعین پر آپ کے بیان کا سحر طاری رہتا ہے اور وہ، آپ کے حصارِ گفتگو سے باہر نکل نہیں پاتے ہیں۔

(۳) آپ کی خطابت کے طرزِ بیان سے واقفیت کے بعد یہ محسوس ہوا کہ آپ کے اندر معلومات کی وسعت بھی ہے اور ان کو پیش کرنے کا سلیقہ بھی۔ نیز اس کا

بھی اندازہ ہوا کہ اسلامی مصادر ......قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت، اسلامی تاریخ، حالاتِ صحابہ، واقعات بزرگاں، اقوالِ ائمہ، ملفوظاتِ صوفیہ، اور حکایاتِ اولیا پر آپ کا عمیق مطالعہ ہے۔

(۴) علاقائی اور جغرافیائی علم ومعلومات کی وجہ سے ہر جگہ ایک سا انداز نہیں اپناتے ؛ بلکہ جہاں مزاج ادبی ہے، وہاں ادبی۔ اور جہاں مزاج سادہ ہے، وہاں سادے لفظوں میں اپنی بات رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کس جگہ کس نسبت سے گفتگو مؤثر اور مفید رہے گی؟ لہٰذا اسی اعتبار سے اپنے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں۔

(۵) سامعین کے ذہن ودماغ کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کے فکری مزاج، علمی کیفیات کو بھانپ کر خطابت کا رخ اپناتے ہیں۔ دانشوروں کے طبقے میں اشاروں ہی میں نکات پیش کردیتے ہیں اور جہاں عوام کی زیادتی ہو، وہاں علمی نکات بھی بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مثالوں کی روشنی میں پیش کردیتے ہیں۔

(۶) ہر کسی کے جذبات کا خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بد مذہبوں کا رد بھی معروضی انداز میں اپنے عقائد کو بلا کسی تعیین وتخصیصِ فرقہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ باطل فرقوں کے افکارِ باطلہ کا از خود رد ہوجاتا ہے۔ اور کسی مخصوص طبقہ کو کوئی اذیت بھی نہیں پہونچتی ہے۔

(۷) اور سب سے اہم بات جو میں نے حضرت کی تقریر میں دیکھی، وہ یہ ہے کہ آپ چاہے کسی بھی موضوع پہ گفتگو فرما رہے ہوں، ایک پہلو اس میں خشیتِ الٰہی اور عظمتِ نبی کا ضرور رہتا ہے۔ اور اپنی ساری بات خلوص اور فکری طہارت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

الحاصل حضرت نے اولاً تو فکروں کی اصلاح، دلوں کی تطہیر اور اخلاق کی تعلیم کے لیے موعظت وخطابت کا سہارا لیا۔ لیکن چوں کہ بذریعۂ خطابت ہر کسی تک بیک

وقت اپنی بات مؤثر طریقہ سے پہونچانا ممکن نہیں ہے، لہٰذا آپ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تبلیغی ہتھیار **قرطاس وقلم** کو بھی اپنی تبلیغ میں داخل کرنا مناسب سمجھا؛ تا کہ بیک وقت بیک جنبشِ قلم اپنی بات امتِ مسلمہ تک پہونچا سکیں۔ اس لیے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا، جب کہ مجالس و محافل میں وعظ و ارشادات قلم بند کر لیے جاتے تھے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس وعظ میں تقریباً ۴/سو افراد آپ کے ارشادات کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے دوات وقلم کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ مگر اب تو ایسا ممکن نہیں۔ چاہے اس کی وجہ جو بھی ہو۔

لہٰذا دعوت وتبلیغ میں اب صرف ایک ہتھیار یعنی وعظ وخطابت کافی نہیں، اس کے ساتھ اب جنبشِ قلم کی بھی ضرورت ہے۔ کیوں کہ قلم کی قوت وعضادت اور اس کی اہمیت وافادیت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ اس کے ذریعے بڑے بڑے معرکے سر کیے گئے ہیں۔ عظمتِ قلم کا ہر صاحبِ علم وفضل نے باستسلام وانقیادِ پیشانی اعتراف کیا ہے۔ گذشتہ اقوام وملل کے واقعات و حکایات، ان کے احوال وظروف، ان کی عادات وطبائع، ان کی دینی وعلمی سرگرمیوں کا ہمیں آج جو کچھ بھی علم ہے، وہ اسی قلم کی برکتوں کا نتیجہ ہے۔ عام ازیں کہ وہ فرامینِ رسالت ہوں یا خصائلِ حمیدۂ رسالت، تاریخ صحابہ ہوں یا اسلافِ امت، علوم وفنون کی وراثت ہو یا تبلیغی مواد کا وصول، یہ سب صرف اور صرف کرشمۂ قلم ہی کے ذریعہ ہم تک پہونچے۔ اگر الہامی طور پر انسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت نہیں کی جاتی اور قلم کا یہ فیضان عام نہیں ہوا ہوتا، تو حقائق ومعارف کے نہ جانے کتنے سوتے خشک ہو چکے ہوتے، حکمت ودانائی کی نہ جانے کتنی محفلیں اُجڑ چکی ہوتیں۔ اور علم وفضل کے نہ جانے کتنے چراغ گل ہو چکے ہوتے۔ بلا شبہ یہ اعجازِ قلم ہی ہے جو انسانی فکر وبصیرت کو جلا دے کر اسے عام وتام کرتا ہے۔ یہ قلم ہی کا جذب وکشش ہے، جو انسانی ذہن ودماغ پر اثر انداز ہو کر اس کے قلب کو متاثر اور پھر اسے مسخر ومسحور کر لیتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ حضور ﷺ نے

تو خود فرمایا کہ اگر تمہیں علم کو محفوظ رکھنا ہو اور اس سے استفادہ مقصود ہو، تو تحریر کو وسیلہ بناؤ "**قیدوا العلم بالکتابة**". (مجمع الزوائد: ج۱/ص:۱۵۷)

تو اِس وقت علمی وفقہی اعتبار سے ہماری بلا وجہ ہٹ دھرمی یا بے جا خاموشی جو نقطۂ انجماد پر ہے، اس کا ازالہ قرطاس وقلم ہی کے ذریعہ ممکن محسوس ہو رہا ہے۔ اسی لیے حضرت نے قلم اٹھایا ہے۔ اور اس پہلو پر حضرت کی ساری باتیں ہماری جماعتی عدم توجہی اور اس کے اثرات کا احساس دلانے کے لیے ہے، ورنہ کون نہیں جانتا طریقۂ اختلاف وروشِ اسلاف کو؟ اور کسے افادیتِ موعظت وخطابت اور تحریر وقلم سے انکار ہے؟ کسے یہ نہیں پتہ کہ انبیا ورسولانِ عظام واوائلِ صحابہ کی دعوت وتبلیغ کا ذریعہ محض موعظت ونصیحت تھی؟ اور پھر کسے یہ نہیں معلوم کہ قرآن نے قلم اور اس کے نوشتہ کی قسم کھائی؟ کیا ہمیں نہیں معلوم کہ "**ربک الاکرم الذی علم بالقلم**" کہہ کر خالقِ کائنات نے اپنا تعارف کرایا؟ اور کیا غزوۂ بدر کے گرفتار شدگان اپنی آزادی کے لیے تعلیمِ کتابت پہ متعین نہیں کئے گئے؟

الغرض: اسلامیات کا سارا اثاثہ جو آج محفوظ شکل میں ہمارے سامنے ہے، یہ سب کچھ قلم ہی کی بدولت ہے۔ ورنہ اسلام کے سنہرے ماضی سے ہم کٹ کر رہ جاتے۔

لہٰذا حضرت کا میدانِ قرطاس وقلم میں آنا محض وقت کی سنگین حالات سے ہمیں باہر نکالنے اور ہماری عدم توجہی کو زندہ و بیدار کر کے دین وسنیت کی طرف موڑنے، اس کا احساس دلانے اور اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے ہے۔

آپ کی دعوت وتبلیغ کے اندر کتنا خلوص اور ایفا ہے؟ اس کا اندازہ آپ کو اس بات سے لگ سکتا ہے کہ آپ نے جب قلم اٹھایا تو کسی اور موضوع وعنوان پر لکھنے کے بجائے پہلے اربابِ علم وفن اور اساطینِ امت کو ایک پلیٹ فارم پر آنے کی دور اندیشانہ و دردمندانہ دعوت دی۔ تاکہ بعد ازاں، امت کے حق میں جو بھی کام ہو، وہ سب اتفاق واتحاد اور یکجہتی کی شکل میں ہو۔

اس کے علاوہ زیرِ نظر کتاب کی تحریر میں حضرت کے ادب کا جمال اور قلم کا کمال بھی آپ کو بدرجۂ اتم ملے گا، جس کی کچھ جھلکیاں راقم الحروف نے عرضِ ناشر میں پیش کیا ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت کے اس خالص دینی وملی سعی کو قبول فرمائے۔

اہم کارنامہ:

آپ کی بے شمار اور روشن خدمات میں سے ایک عظیم اور اہم کارنامہ سن **۲۰۱۱ء** میں بمقام بھیلواڑہ، راجستھان **''اشرفی چشتی فاؤنڈیشن''** کے نام سے ایک عظیم خالص ملی خدمات کے مقصد لیے **تنظیم** کی بنیاد ڈالنا ہے، جس کی نشاۃِ ثانیہ سن **۲۰۱۳ء** میں احمد آباد میں ہوئی۔جس کے اغراض ومقاصد نیز اب تک کی کی ہوئی چند خدمات قارئین **''عرضِ ناشر''** میں ملاحظہ فرمائیں گے...... جو آج بحمدہ تعالیٰ عالمی سطح پر اپنے اغراض ومقاصد کے منازل طے کر رہی ہے اور اپنے متحرک و فعال اور شاہین صفت اراکین وممبران کے ذریعہ کامیابیوں کے مراحل سے گذرتی ہوئی چلی جارہی ہے۔یوں تو اس عالمِ ہست و بود میں بے شمار تنظیمیں وجود میں آئیں، کئی تحریکیں اٹھیں، بعض اپنے اہداف پر نازک انداز میں کامیاب ہوئیں، بعض وصالِ منزل سے پہلے ہی دم توڑ دیں اور بعض اپنے مقصد کی بازیابی کی خاطر خوش روی کے ساتھ، تو بعض سست روی کے ساتھ جادۂ منزل پر گامزن ہیں۔مگر یہ تنظیم اپنے وجود کے اول دن ہی سے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بحمدہ تعالیٰ دینی وملی خدمات انجام دے رہی ہے۔اس کے علاوہ حضرت کے ارادے میں کئی اور ادارے اور تنظیمیں بھی افادۂ امت کے لیے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔

زیارت حرمین ودیگر مقاماتِ مقدسہ:

آپ سب سے پہلے والدین کریمین کے ساتھ **۲۰۰۸ء** میں حرمین طیبین کی

زیارت سے مشرف ہوئے، پھر اس کے بعد آپ کو متعدد بار حج وعمرہ سے مشرف ہونے کے ساتھ ساتھ متعدد مزاراتِ انبیا علیھم السلام اجمعین کی بارگاہ میں حاضری کا بھی شرف حاصل ہوا ہے۔

غیر ملکی تبلیغی اسفار:

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، افریقہ کے کئی ممالک، نیز یورپ کے چند ممالک بشمول برطانیہ، ہالینڈ، کناڈا اور ساؤتھ امریکہ تک آپ نے دین کا پرچم بلند کیا ہے۔اس کے علاوہ نیپال، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کا سفر فرما کر آپ نے حکمِ خداوندی ''**سیروا فی الارض**'' پر بھی عمل کیا ہے اور موعظت ونصیحت اور تجربہ و آگاہی کے آب دار گوہر لٹائے ہیں۔

اعتماد ومقبولیت:

علم وعمل، قول وفعل، حکمت وتدبر اور اپنے پاکیزہ اخلاق وکردار کی وجہ سے علما ومشائخ، اکابر واصاغر، احباب ومعاصرین اور اصحاب فکر ودانش کے ہر طبقہ میں آپ ایک متوازن الفکر اور صائب الرائے شخصیت کی حیثیت سے معروف ومشہور ہیں۔مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ مثبت تعمیری کاموں سے دل چسپی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔دینی وعصری تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے پیغام کے ساتھ خدا اعتمادی اور خود اعتمادی آپ کا شیوہ ہے۔آپ کی پُرکشش شخصیت کے محاسن کو قریب سے دیکھنے والے سبھی حضرات میرے مذکورہ خیالات وتاثرات کی شرح صدر کے ساتھ تصدیق وتائید کریں گے۔

محمد افضل حسین مصباحی اشرفی سہرساوی

کتاب کی کہانی، اشعار کے زبانی

نتیجۂ فکر: حضور تاج العلماء حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی۔

تخلیقِ کائنات کی صورت ہے اختلاف
مخلوقِ کل جہان کی فطرت ہے اختلاف

شکل و مزاج ،عقل و خرد ،خدو خال کی
عادت کی ،علم وفضل کی حاجت ہے اختلاف

اس اختلافِ رائے کی وسعت تو دیکھئے
فرمایا مصطفیٰ نے کہ رحمت ہے اختلاف

اسلاف کی روِش نے سکھایا ہے یہ سبق
جاہل ہے جو کہے کہ خصومت ہے اختلاف

نو پید مسئلوں کی سلجھتی ہیں گتھیاں
تعمیلِ حکم کے لیے رخصت ہے اختلاف

محمود اختلاف ہے حُسنِ ادب کی جان
مذموم ہو گیا تو ہلاکت ہے اختلاف

فکری جمو د کا ذرا انجام دیکھئے
کچھ لوگ کہہ رہے ہیں بغاوت ہے اختلاف

مانا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے
پھر بھی اے نورؔ دیں کی ضرورت ہے اختلاف

مقدمہ

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمدُ لِلّٰهِ العظيمِ شانُه،القوى سلطانُه،الظاهرِ احسانُه،الباهرِ حجتُه و برهانُه،و الصلوة و السلام علىٰ نبيه الذى جُعِلَ للمُتقينَ قُدوَة وَمُنِحَ بحُسنِ المتابَعَةِ رتبةَ الدعوةِ،فَمَنِ اقتدىٰ به اهتدىٰ،و مَنِ اَنكرَه ضل و اعتدىٰ.اما بعد!

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آج جن چیزوں سے دوچار ہے اور پہلے بھی دوچار تھی،اُن میں اہم ترین چیز **"اختلاف"** ہے جوامت کے افراداور جماعتوں، نیز مذاہب ومسالک وحکومتوں کے درمیان پایا جاتا رہاہے،اور ہنوز جاری ہے۔لیکن اس کی سابق شکل کچھ اور تھی اور موجودہ شکل کچھ اور ہے۔یہ تو مسلم ہے کہ اختلاف ایک فطری امر ہے،مگراس کے وجود کے اسباب مختلف ہیں؛عموماً جہاں نصوص (قرآن وحدیث کی عبارت) کے فہم میں فرق کا ہونا اس کا سبب اوراس کی وجہ ہے،وہیں علم میں کمی بیشی بھی اس کا بڑا سبب ہے۔یونہی یہ، چیزوں کو پرکھنے کے معیاراوراصول وضوابط میں فرق ہونے کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ان سب کے علاوہ ایک اوروجہ، جوعموماً ہمارے معاشرہ میں پائی جاتی ہے،وہ حسد،تعصب اور"انانیت" ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہورہا ہے کہ یہ اختلاف کبھی بڑھ کر گروہ بندی تک پہنچ جاتا ہے اور یہ گروہ بندی ،باہمی دشمنی تک۔نتیجتاً ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق بلکہ تکفیر یا ذاتی کردارکشی تک بات پہنچ جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

لوگوں میں بعض محدودفکر،تنگ ادراک اورایسے نادان وکم علم لوگ بھی ہیں جو اپنے میزان فہم وخرد میں خلل کے باعث مسائلِ امت کے ساتھ ساتھ مصالحِ امت

کا کما حقہ ادراک نہیں کر پاتے ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات بسا اوقات کسی عالم، مفتی یا جماعت کی رائے کی حمایت میں بدترین جانب داری ودشمنانہ تعصب تک اتر آتے ہیں۔ جب کہ مذہب اسلام میں فقہی فروعی اختلافات کے ہزاروں نظائر ایسے موجود ہیں، جوان کے پیروکاروں کے لیے باعثِ رحمت قرار دیئے گئے ہیں۔ اور میرا ماننا ہے کہ آج بھی ایسے اختلافات **رحمت** ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ان کی بنیادیں اخلاص وللّٰہیت پر استوار کی گئی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ دلائل شرعیہ بھی ان کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اختلافات کبھی بھی ہمارے اسلاف کے مابین عداوت کا بیج نہ بو سکے اور ان کے دلوں کے نہاں خانے میں نفرت کی خلیج کبھی حائل نہ ہوسکی، بلکہ اس کے برخلاف وہ باہم اخوت ومحبت اور دریا دلی کے مثالی پیکر نظر آتے تھے۔ اختلاف کی دھرتی پر محبت کا یہ خوشنما پودا آج کے دورِ انتشار میں ہم سب کے لیے نمونۂ عبرت ہے!!!۔

لہٰذا واضح رہے کہ: اختلاف ایک امرِ مشروع ہے لیکن اس کے چند اصول وضوابط، نیز اسباب وآداب بھی ہیں۔ محض اتحاد کا نعرہ لگا کر اختلافِ امت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی اختلاف کی وسعت کی آڑ میں عدم تقلید کا دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ بعض جدت پسندوں نے مذاہب اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہ کرکے اپنے خواہشِ نفس کی پیروی میں ایک الگ راہ بنالی، چنانچہ غیر مقلدوں کا یہ کہنا کہ ''حقانیت کسی ایک مسلک میں محدود نہیں'' اسی فکر کا نتیجہ ہے جس نے امت کے فقہی اختلاف کو انتشار وافتراق میں بدل دیا۔

ماضی قریب میں علمائے اہل سنت کے مابین جو اختلافات رونما ہوئے ہیں ان کے مثبت ومنفی اثرات عالم اسلام پر بالعموم اور برصغیر ہندوپاک پر بالخصوص پڑے ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کئی علما وصاحبانِ افتا اپنے اسلاف کے نقش قدم

سے پھر گئے، نتیجتاً اختلاف کرنے کے آداب، اختلاف نبھانے کے آداب اور اس کے اخلاقیات نیز صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے اختلافی منہج، سلیقہ، معمولات اور ان کی تعلیمات سے کوسوں دور ہوگئے۔

اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ ''اختلاف افراط وتفریط سے پاک اور ہواءِ نفس کی پیروی سے مبرا ہونا چاہیے، تاکہ اختلاف محض اختلافِ محمود ہو، مذموم نہیں''۔ اور یقیناً ایسے ہی اختلاف سے معاشرہ کی تخریب درست تعمیر کی طرف گامزن ہوسکتی ہے جو کہ ہم سب کا مطلوب ومقصود ہونا چاہیے۔ بلاشبہ ایسے ہی اختلاف کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا ''**اختلاف امتی رحمة**'' یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (ردالمختار/۴۳۷۔ تدریب الراوی: ج۲، ص:۱۶۷)۔

اور اسی حدیث کی حکمت، تابعین کرام سے بایں لفظ منقول ہے کہ اگر امت کا اختلاف رحمت نہیں ہوتا تو ہمارے لیے **رخصت** بھی نہیں ہوتی اور رخصت سے ہم محروم رہتے۔

زیرِ نظر کتاب میں اختلاف کی لغوی وشرعی حیثیت، اختلاف محمود و اختلاف مذموم نیز اختلاف کے اقسام اور متقدمین ومتاخرین کے اَدوار میں اس کے شواہد وامثال پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اختلاف کے آداب واخلاق نیز اس کے چند علمی اور عملی ضوابط کو بیان کر کے نفسِ اختلاف کی جامعیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو شروع کرنے سے پہلے یہ امر جاننا بے حد ضروری ہے کہ:

احکام شریعت کی بنیادی دلیلیں چار ہیں:

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس............جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں جمع کر دیا ہے۔ آیت: ''**یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ**

وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا" (سورۂ نساء آیت ۵۹)

ترجمہ:۔اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں، پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ وقیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔
(کنزالایمان)

اس آیت میں ادلۂ اربعہ (چاروں دلائل) شرعیہ کی طرف اشارہ ہے :

اطیعوا اللہ سے مراد **"قرآن"** ہے، **"اطیعوا الرسول"** سے مراد **"سنت"** ہے اور **"اولی الامـــر"** سے مراد **"علماوفقہا"** ہیں۔اب اگر ان میں اختلاف وتنازع نہ ہو بلکہ اتفاق ہو جائے تو اسے **"اجماع فقہا"** کہتے ہیں۔یعنی (اجماع فقہا کو بھی مانو) اور اگر ان علما وفقہا میں اختلاف ہو تو ہر ایک "مجتہد" کے اجتہاد واستنباط کو **"قیاس شرعی"** کہتے ہیں۔

خیال رہے کہ قرآن سے مراد پورا قرآن نہیں ہے بلکہ قرآن پاک کی تقریباً وہ ۵۰۰ر سو آیات ہیں جن پر احکامِ شرع کی بنیاد ہے۔اور ان پانچ سو آیات کے علاوہ باقی آیات قصص وامثال، مقطعات ومتشابہات وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

مگر بعض حضرات نے کہا کہ قرآن سے پورا قرآن مراد ہے کیونکہ بنیادِ شریعت ۲ر ہیں، ایک ظاہری، دوسرا باطنی۔ ۵۰۰ر سو آیات میں احکام ظاہریہ بیان کئے گئے ہیں اور بقیہ قصص وامثال کی آیات میں احکام باطنیہ۔یونہی سنت سے احادیث کا تمام ذخیرہ مراد نہیں ہے بلکہ تین ہزار احادیث مراد ہیں، یہ ہی مقدار احکام کی اساس اور بنیاد ہیں۔

اور اجماع امت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی امت کا اجماع ہے۔اور امت سے بھی مراد مطلق امت نہیں ہے بلکہ امت کے **مجتہدین** کا اجماع مراد ہے۔اور قیاس سے بھی قیاس شرعی مراد ہے نہ کہ کوئی اور قیاس، یعنی مقیس علیہ صرف اصول ثلٰثہ مذکورہ ہی ہونا چاہیے۔

بہر حال اس سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ ہماری شرعی اختلافی بحثیں انھیں اصول اربعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہونی چاہیے۔مگر اس جگہ ان اصول اربعہ سے ثابت شدہ مسائل پر تھوڑی بحث کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ ہمیں گائیڈ لائن مل جائے کہ ہمارے

لیے ان اصول اربعہ میں سے ثابت شدہ مسائل میں سے کس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور کس میں نہیں؟

تو اجتہاد واختلاف کی بھی ایک حد متعین ہے، یعنی منصوص اور مجمع علیہ مسائل میں اجتہاد جائز نہیں ہے اور جب ان میں اجتہاد جائز نہیں ہے تو اختلاف تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز وناروا ہوگا۔یہ بات اور ہے کہ مجتہد جب کسی مسئلہ کی تشریح وتنقیح چاہے گا تو اسے انھیں ادلۂ اربعہ کے حدود میں رہ کر تنقیح وتوضیح کرنی ہوگی۔لیکن، اگر کوئی مسئلہ منصوص اور مجمع علیہ ہے تو اس میں اسے بھی اجتہاد کی اجازت نہیں، بلکہ وہ اور جملہ امت اس پر عمل کے سلسلہ میں محکوم بہ ہیں۔

ہاں اجتہاد واختلاف کا دروازہ غیر منصوص وغیر مجمع علیہ مسائل میں ہمیشہ کھلا ہے اور رہے گا۔جیسا کہ فقہا کے درمیان یہ بات مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ "منصوص ومجمع علیہ مسائل میں اجتہاد جائز نہیں"۔

چنانچہ اسی کا قول امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب **المستصفی** میں کیا ہے "**المجتهدفيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي**"۔یعنی ہمارے لیے مجتہد فیہ ہر وہ شرعی حکم ہے جس کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو۔

لہٰذا اب ہمیں پتہ چل گیا کہ مسائل شرعیہ میں ہمارا مصدر ومبداءِ اختلاف ظنی الدلالت احکام ہیں۔اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہمارے لیے حدود دائرۂ اختلاف اور آداب اختلاف کیا ہیں؟ اور ان میں کس حد تک ہماری رسائی ہوسکتی ہے اور کس حد تک نہیں؟۔

کتاب اللہ اور "سنت رسول اللہ ﷺ" میں حدیث متواتر، نیز اجماع اپنے ذریعۂ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہیں۔

اب "سنت رسول اللہ ﷺ" میں جو حدیثیں تواتر کے درجہ کی نہ ہوں وہ ظنی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باعتبارِ اسناد اس سے کم درجہ کی ہیں۔اسی طرح اگر حدیثوں میں بظاہر تعارض ہو، اور یہ معلوم نہ ہو کہ کون سا حکم پہلے کا ہے اور کون سا حکم بعد کا ہے؟ یا کسی حدیث کا محل اور موقع کیا ہے؟ تو تعارض کی وجہ سے یہ بھی ظنی کہلاتی ہیں۔

استنباطِ احکام میں دوسری اہم جہت یہ دیکھی جاتی ہے کہ: جو مفہوم اخذ کیا جا رہا
ہے اس پر قرآن وحدیث کے الفاظ کی دلالت یا قیاس کی تطبیق کس حد تک واضح اور ابہام
سے خالی ہے۔یعنی اگر الفاظ کی دلالت اس مفہوم پر اس طرح ہے کہ اس میں کسی اور معنی
کا احتمال نہیں ،تو وہ ’’قطعی الدلالۃ‘‘ ہے اور اگر اس میں ایک یا اس سے زیادہ معنوں کا
احتمال ہو تو وہ ’’ظنی الدلالۃ‘‘ ہے۔ قیاس کو بھی ’’من حیث التطبیق‘‘ اسی زمرہ میں رکھا
گیا ہے، کیونکہ قیاس کا حکم علت ومماثلت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے بایں سبب کہ نص میں
وہاں کوئی صراحت نہیں ہوتی اور بعض دفعہ دو مماثل صورتوں کے احکام ایک دوسرے سے
مختلف بھی ہوتے ہیں۔

فقہا اور ائمۂ دین کے نزدیک قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ احکام میں کوئی اختلاف
رونما نہیں ہوا۔اب اگر کوئی باطل فرقہ ایسے احکام میں بھی اپنی جانب سے ایسی کوئی
فاسد واختراعی تاویل کرے، جس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو، تو یہ فقہی اصول سے خارج
ہے اور مردود ومتروک ہے، کیونکہ ایسے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔البتہ جو احکام ثبوت
وتعارض یا اپنی مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہوں، انھیں احکام میں صحابہ، سلف
وائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مابین اختلاف رائے ہوئے ہیں۔

سواد اعظم اہل سنت وجماعت میں یہ اختلافِ رائے مسالک اربعہ، حنفیہ، شافعیہ،
مالکیہ وحنابلہ پر منحصر ہے، لہٰذا اختلاف کو وسعت دے کر اسے دماغی تفریح وشخصی تشہیر کا ذریعہ
بنا کر تقلید جیسے اجماعی امر سے انحراف کرنا بذات خود اختلاف مذموم ہے۔

اس کتاب میں دور حاضر کے تناظر میں اسباب اختلاف کے حوالے سے بھی
سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔جو آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

اسی طرح عصر حاضر میں علما کے مابین بعض ایسے مسائل میں اختلاف کا ہونا،
جن کی نظیریں ائمہ دین کے مستنبطہ احکام میں موجود نہ ہوں، مثلاً وہ جدید قضایا ومسائل
جو امت کو در پیش ہوتے رہتے ہیں، اور آج کے زمانے میں شرعی فقہی سیمینار کی شکل میں
جن کے حل بھی نکالے جا رہے ہیں؛ اُن میں مرورِ زمانہ کے ساتھ ایجاداتِ سائنس کی

بنیاد پر اختلاف کا ہونا ایک لابدی عمل ہے، جو یقیناً اللہ رب العزۃ کے قول (ولا یزالون
مختلفین الا من رحم ربک) کا مصداق ہے، ایسے اختلافات ہمیشہ ہوتے رہیں
گے، مگر ضرورت ہے اس بات کی کہ ہمیں ان اختلافات کو نفس کی پیروی سے
دور اور شخصیت پرستی کے مکڑ جال سے آزاد ہو کر صرف ’’الدین النصیحۃ‘‘ کے جذبۂ
خالصہ سے حل کرنا چاہیے، تاکہ امت محمدیہ انتشار وافتراق سے محفوظ رہے۔

کیوں کہ میری نظر میں یہی وہ راہِ سلیم ہے جس کے ذریعہ شریعتِ مطہرہ پر کسی
طبیعتِ فاسدہ کی ملمع کاری نہیں ہو سکتی۔

وقت کی اسی سنگینی کا خیال کرتے ہوئے اس فقیر اشرفی وگدائے جیلانی
سید محمد نورانی اشرفی جیلانی نے اس انتہائی اہم مسئلہ پر قلم اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بھی
ایسے موقع پر جب امت مسلمہ بالعموم، اور مسلمانان برصغیر بالخصوص، مختلف محاذ پر
شدید انتشار کے شکار ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میرے لیے یہ کام آسان نہیں تھا؛ میری زندگی اب اتنی
مصروف بلکہ مصروف ترین ہو چکی ہے کہ شب وروز تبلیغی ودعوتی اسفار میں گذر رہے
ہیں، گھر سے دور خانہ بدوشوں کی طرح آج کہیں تو کل کہیں۔

جیسا کہ میں نے خود اپنے بارے میں کہا تھا:

نہ مرا کوئی مقر ہے نہ مرا کوئی مفر
کبھی جہاز کبھی ریل تو مرید کا گھر
میں ایسے عالم گردش کا رہنے والا ہوں
جہاں پہ رات میں جلسہ ہے اور دن میں سفر

پھر بھی میں نے کوشش کی کہ روزانہ کم وبیش ایک گھنٹہ اس کام کے لیے مختص
کر لوں۔ادھر مجھے اپنی کم مائیگی وبے بضاعتی کا بھی احساس تھا مزید برآں مصادر ومراجع
کو تلاش کرنا اور عرق ریزی سے مضمون مرتب کرنا آسان نہ تھا، خاص کر ایسے حالات میں
جبکہ میں مستقل سفر میں ہوں۔اسی لیے جو کام تین چار مہینے میں ہو سکتا تھا، اُسے پورا کرنے

میں مجھے تقریباً ۲ رسال لگ گئے۔ بہر کیف! اب میں اُن ہستیوں کی بارگاہ میں تشکر و امتنان کا تحفہ پیش کرتا ہوں جن کا میری زندگی کو پُر بہار بنانے میں کسی نہ کسی طرح ہاتھ رہا ہے؛ تو......سب سے پہلے اپنے بڑے ابو حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ **سید محمد مدنی اشرفی جیلانی** مدظلہ العالی کی بارگاہ میں، جن کی نورانی، دعوتی اور تبلیغی زندگی کو قریب سے مطالعہ کر کے کچھ کر گزرنے کا حوصلہ موجزن ہوا۔ بڑے ابو کے بعد والد بزرگوار غازئ ملت حضرت علامہ **سید محمد ہاشمی اشرفی جیلانی** کی بارگاہ میں، جنھوں نے میرے اوپر اپنے دست شفقت کا سایہ ہمیشہ رکھا اور جن کی خصوصی نگاہوں کے طفیل آج میں لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ لکھنے اور پڑھنے والوں کی صف میں کھڑا ہوسکا۔ اِن دونوں حضرات کے بعد دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گذار ہوں صاحبِ سجادہ، قائد ملت حضرت علامہ **سید محمد محمود اشرفی جیلانی** کا جنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود چند کلمات تحریر فرمایا۔ پھر انتہائی احسان مند ہوں فقیہ النفس حضرت علامہ **مفتی آل مصطفیٰ مصباحی** اشرفی کا، جنھوں نے بڑی دقت نظر کے ساتھ کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا، اور چند بیش بہا کلمات تحریر فرما کر حوصلہ افزائی کی۔

بعد ازاں، اِس تحریری مشن میں جن لوگوں نے بھی میری حوصلہ افزائی فرمائی، اُن سب کا شکر گذار ہوں۔ خاص کر میں اس موقع پر اپنے برادرِ نسبتی **عزیزم سید شاہد میاں سلمہ** کا شکر گذار ہوں جنھوں نے ہر موقع پر مجھے اس کارِ عظیم کے لیے آمادہ کیے رکھا۔ بعدِ ازاں، اپنے مریدِ صادق مولوی سید فاضل اشرفی میسوری کا انتہائی مشکور ہوں، جنھوں نے آن لائن کئی مصادر و مراجع نکال کر مجھے دیئے، جس نے کتابوں کے بوجھ سے حالتِ سفر میں مجھے بچائے رکھا۔ نیز فاضلِ جلیل، عزیزم مولانا محمد افضل حسین مصباحی اشرفی سلمہ کا بھی مشکور ہوں، جنھوں نے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ مزید تصحیح فرما کر میرا کام انتہائی آسان کر دیا۔ اور اخیر میں ''**اشرفی چشتی فاؤنڈیشن**'' کے کارکنان کو بھی فراموش نہیں کر سکتا جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کا ذمہ اٹھایا۔

زیرِ نظر کتاب میری پہلی باضابطہ تحریری کاوش ہونے کی وجہ سے غلطیوں کا مجموعہ

ہو سکتی ہے اور اگر ایسا نہیں، تو یہ محض رب تعالیٰ کا فضل، حضور ﷺ کی عطا، مخدوم سمناں کی عنایت اور اساتذۂ کرام کی نوازشات کا ثمرہ ہے۔ کسی بھی موضوع کو دلائل سے مزین و مرصع کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا اور متعلقہ موضوع کی ایسی توضیح کر دینا کہ قاری کو مراد سمجھ میں آ جائے، مصنف و مؤلف کی اساسی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے میں کتنا کامیاب ہوا یہ فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔ ہمہ دانی کا دعویٰ نہ کبھی تھا، نہ اب ہے، نہ کبھی ان شاء اللہ رہے گا۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کے ارشاد ''فوق کل ذی علم علیم'' کا درس میرے رگ و ریشے میں ہے اور بزرگوں کا ادب و احترام میری خمیر میں۔ لہٰذا اگر منتخب موضوع کو پیش کرنے میں کوئی سقم ہو تو راقم الحروف کی کم علمی ہے (کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھانا جو صرف علما سے تعلق رکھتا ہو، بڑی ژرف نگاہی اور محنت شاقہ کا طالب ہے) اور اگر کوئی حسن نظر آئے تو، وہ ہمارے آبا و اجداد و مشفق اساتذۂ کرام نیز والدین کریمین کی بے لوث دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

اخیر میں یہی دعا ہے کہ مولیٰ کریم اس کتاب کو مقبول خاص و عام بنائے اور اس کے ذریعہ امت مرحومہ کو سلیقۂ اختلاف اور اس کے آداب و اخلاق کی سمجھ عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقیر اشرفی و گدائے جیلانی

ابو الفیض سید محمد نورانی الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی

کتاب ھٰذا میں میرا طریقہ پیش کش

میں نے ہر باب میں بعض ان مسائل کا ذکر کیا ہے، جن میں اختلاف ہوئے۔ اسی طرح میں نے ہر باب میں اس کے متعلق واردشدہ ان اقوال کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ اور بعض جگہ تو مختصراً اس قول کے نمایاں ترین براہین ودلائل بھی ذکر کردیئے ہیں۔ بعدۂ تفریع کی جانب توجہ مبذول کرائی اور متنازعہ فیہا غیر اجماعی و فرعی مسئلہ کی ایک یا زیادہ مثالیں ذکر کریں۔ مگر پھر بھی چونکہ مسائل کا استقصاء اور استیعاب مقصود نہ تھا، اس لیے چندہی کے ذکر پہ اکتفا کیا۔ کیونکہ اہل علم سے امید ہے کہ وہ ایک مسئلہ کی آ گاہی کے بعد دوسرے کی پہچان خود ہی کرلیں گے۔

باقی رہے وہ اصول جو فروع پر یا تو اثر انداز ہوتے ہی نہیں یا کم ہوتے ہیں، تو ان سے میں نے تعرض نہیں کیا۔

اور مسائل میں توسع سے اس لیے کام نہیں لیا کہ بحث کا دائرہ زیادہ سے زیادہ اسباب اختلاف اور اس کی تنقیح کو سموسکے۔ اس کے علاوہ اصول وفروع اور علما کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کے ذکرو بیان سے میرا مقصد یہ بتانا نہیں کہ ان میں مسلکِ حق وصواب کون سا ہے؛ بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ غیر اجماعی مسائل میں پایا جانے والا اختلاف اصولی مسائل کے اختلاف پر مبنی اور مترتب ہے۔

یوں ہی تفریع میں متنازع فیہا مسائل کو، ذکر کرنا جتنا مناسب سمجھا، اتنا ہی بیان کیا؛ تاکہ متفرع علیہا قاعدہ کی توضیح کے لیے اس سے استشہاد کیا جاسکے۔

اور فقہی اصول وقواعد اور اُن کے اختلاف پر مستقل طور پر اس لیے کلام نہیں کیا کہ بات طویل ہوجائے گی۔

البتہ، کتب اصول، تفسیر، حدیث، فقہ اور اس موضوع کی خاص کتابوں کی باتیں حسبِ ضرورت بیان کردی گئی ہیں۔

☆☆☆ ☆☆

اختلاف کی لغوی اورشرعی حیثیت

اختلاف مصدر ہے، جو باب افتعال سے ہے اور اتفاق کی ضد ہے، جس کا معنی تضارب فی الرای اورانعدام الاتفاق وغیرہ ہے۔

لسان العرب میں ہے:

’’اختلف الامرانِ لَمْ یتفقا‘‘ وکل مالَمْ یتساوَ فقداختلف‘‘

ترجمہ:۔(اختلاف کا معنی ہے) دو امروں کا باہم متفق نہ ہونا، (اسی لیے کہا جاتا ہے کہ) ہر وہ چیز جو برابر نہ ہو، تو گویا کہ وہ آپس میں مختلف ہو گیا۔(ملاحظہ ہو لسان العرب، ۸۲/۹ مطبوعہ بیروت)

اختلاف کی تعریف علامہ جرجانی فرماتے ہیں:۔

’’منازعة تجری بین المتعارضین لتحقیق حق و ابطال باطل‘‘

(التعریفات: ص،۱۳۵)

ترجمہ:۔’’اختلاف وہ آپسی بحث ومباحثہ اور علمی مناقشہ ہے، جو دو فریق کے درمیان اثباتِ حق اور ابطال باطل کے لیے ہو۔

فیروزآبادی نے اختلاف کی تعریف یہ کی ہے’’الاختلاف ماالمخالفة أن یاخذ کل واحد غیر طریق آخر فی حاله اوفعله و قوله‘‘.

ترجمہ:۔اختلاف، متخاصمین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے قول وفعل اور حالت کے خلاف راستہ کو اپنانے کا نام ہے۔(بصائر ذوی التمیز: ج،۵۲۲/۲، ۵۲۳)

الاختلاف اورالخلاف میں فرق

بعض علما سے **اختلاف** اور **خلاف** کا **فرق** منقول ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

اختلاف کا استعمال اس قول پر ہوتا ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہو؛ جبکہ خلاف کا استعمال اس قول پر ہوتا ہے جس کی بنیاد دلیل پر نہ ہو۔ اکثر علمائے عرب نے اس کی تائید کی ہے کہ راجح قول کے مقابلہ میں اگر مرجوح قول آئے تو اسے اختلاف نہیں، بلکہ خلاف کہیں گے۔

فتح القدیر میں ہے: **ثبوت الضعف فی جانب المخالف فی (الخلاف)، کمخالفة الاجماع ، وعدم ضعف جانبه فی (الاختلاف).** (فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۳۹۴، از حاشیہ ابن عابدین جلد ۴، ص: ۳۲۱) یعنی جانب مخالف سے ضعف کا ثابت ہونا خلاف کہلاتا ہے؛ جب کہ اس کا برعکس اختلاف کہلاتا ہے۔ اور بعض فقہا واصولیین کے نزدیک دونوں لفظوں میں اعتباراً کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی وہ دونوں لفظوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

اقسامِ اختلاف

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اختلاف کو انسان کی فطرت وطبیعت کا ایک جزء لاینفک بنایا ہے، حد تو یہ ہے کہ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ بیٹا اپنے باپ سے ہی وجود پاتا ہے اور اس کے وجود کا ایک حصہ وجز ہوتا ہے، پھر بھی باپ بیٹے کے درمیان مختلف قسم کے اور مختلف وجوہ سے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عقل ومزاج شکل وصورت ورنگ وغیرہ میں۔

یہ کوئی امر بدیع نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایک ربانی نظام ودستور ہے، جس کا پایا جانا انسانی دنیا میں ایک مسلمہ بات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** ۔ (سورۂ ہود، آیت ۱۱۸)

ترجمہ: ۔ اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا۔ (کنزالایمان)

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ۔ اس سے مراد لوگوں کا دین واخلاق وافعال میں اختلاف ہے۔ لیکن اس تباین وقابلیتِ اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم پر ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے ہیں۔ جس کی شکل مذاہب اربعہ کا اجتہادی اختلاف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ** ۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳)

ترجمہ: ۔ تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔ (کنزالایمان)

اسی لیے اصولیین نے اختلاف کی مختلف اقسام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ زیر نظر کتاب میں ایسے مباحث سے احتراز کیا جائے ، جو تقلید یا عدم تقلید کے دلائل میں پیش کی جاتی ہیں۔ ، کیونکہ فقیر راقم الحروف کا مقصد صرف اختلاف کی مشرعیت اور اس کا طریقہ کار بتانا ہے۔ لہٰذا ذیل میں چند سطور اقسام اختلاف کے حوالے سے تحریر کرتا چلوں تا کہ نفس اختلاف کی جامعیت کا پتہ چلے۔ **اختلاف دراصل دو قسم کا ہوتا ہے۔**

ایک حقیقی۔ دوسرا غیر حقیقی

مزید اتفاق کے اقسام سے بھی اختلاف کے اقسام معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے "**تعرف الاشیاء بأضدادها**"۔ چونکہ محل کلام یہاں اختلاف ہے اسی لئے تقسیم کا موضوع اسی (اختلاف) کو قرار دیا گیا ہے۔

☆ **اختلاف حقیقی**: اس سے مراد دو حکموں میں ایسا تعارض ہے کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہوں، یعنی ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط ہو۔ مثلاً ایک شخص کہے

یہ فعل حلال ہے اور دوسرا اسی کو حرام یا قبیح کہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی حکم واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ اب یہ تعارض خواہ درجہ تناقص میں ہو کہ دونوں حکم کا نہ اجتماع ہوسکتا ہے اور نہ ارتفاع ہوسکتا ہے۔ مثلاً جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی، ایسے ہی یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ فعل واقع میں نہ حلال ہو نہ حرام ہو۔ یا دونوں حکم ایک دوسرے کے متضاد ہوں، یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہوسکتا لیکن دونوں کا ارتفاع (خاتمہ) ہوسکتا ہے۔ جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے اور دوسرا کہے کہ مستحب ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ فعل ایک ساتھ اصطلاح میں مباح بھی ہو اور مستحب بھی، مگر یہ ہوسکتا ہے کہ نہ مباح ہو نہ مستحب بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔

☆ **اختلاف غیر حقیقی**: اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں حکم معاً صحیح ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سفید ہے اور ایک سیاہ ہے، دونوں کا رنگ مختلف ہے، مگر حکم صحت میں دونوں مجتمع ہیں، کیونکہ ایک کے سفید ہونے سے دوسرے کے سیاہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر زمانہ کا فرق ہو مثلاً: ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانہ میں حرام ہوگئی تو دونوں صحیح ہیں۔

اور یہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں محض صورت میں اختلاف ہے۔ یعنی یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ اختلاف صوری ہے۔

اس حوالے سے فقیر اشرفی نے اخیار و اغیار کی کئی مطبوعہ کتابوں کو دیکھا، چند کتابیں یہ ہیں۔

''**کتاب اخلاق العلما**'' مصنف امام ابوبکر محمد بن حسین الاجری البغدادی المکی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۶۰ھ ''**الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف**'' مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ۔ نیز ''**احکام الایتلاف فی بیان احکام الاختلاف**'' اور ''**ادب الاختلاف وبعض**

القواعد الضابطة له'' مصنف: شیخ ڈکتور علی ونیس، کا بھی مطالعہ کیا۔

مزید برآں سیر و اخلاق کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا تو اختلاف کے چند اقسام مختلفہ کا علم ہوا، جنھیں قارئین کے لیے نفع بخش سمجھ کر نذر کر رہا ہوں۔

اختلاف حقیقی کی چھ اور اختلاف غیر حقیقی کی چار قسمیں ہیں

☆ **اول**: دنیوی معاملات میں اختلاف کرنا مگر درست نیت و منشا کے ساتھ۔

☆ **دوم**: دنیوی معاملات میں اختلاف کرنا مگر غلط نیت اور منشا کے ساتھ۔

☆ **سوم**: دینی اختلاف کرنا ان فروعی مسائل میں جن کی کوئی دلیل موجود ہو۔

☆ **چہارم**: دینی اختلاف کرنا ان فروعی مسائل میں جن کی کوئی اصل یا دلیل موجود نہ ہو۔

☆ **پنجم**: دینی اختلاف کرنا ایسے اصول میں جو کفر و اسلام کے درجہ میں ہوں۔

☆ **ششم**: دینی اختلاف کرنا ایسے اصول میں جو سنت اور بدعت کے درجہ میں ہوں۔

اختلاف غیر حقیقی کے اقسام

☆ اول: وہ اختلاف جو محض بندے کے افعال سے ہو۔

☆ دوم: وہ اختلاف جو بجعل حق ہو اور تخلیق و تکوین سے متعلق ہو۔

☆ سوم: وہ اختلاف جو بجعل حق ہو اور ایک شریعت میں ہو۔

☆ چہارم: وہ اختلاف جو بجعل حق ہو اور مختلف شریعتوں میں ہو۔

اس طرح حقیقی اور غیر حقیقی ملا کر کل دس قسمیں اختلاف کی نکلتی ہیں۔ ذیل میں ہر قسم پر حسب ضرورت گفتگو ہوگی۔

☆ **اول**: یعنی درست نیت اور منشا کے ساتھ دنیوی معاملات میں اختلاف کرنا، تو بلاشبہ یہ اختلاف مذموم نہیں، بلکہ محمود ہے، جیسے دو طبیبوں کے طریقۂ علاج میں

اختلاف یا مریض کی تشخیص میں اختلاف، کہ ایک طبیب اپنی تدبیر کو نافع بتاتا ہے، دوسرا بھی اپنی تدبیر کو نافع بتاتا ہے۔ دونوں کی منشا اور نیت درست ہے، اگر چہ دونوں ایک دوسرے کی دلیل کو رد کرتے ہیں۔

ایسے ہی دیگر دنیاوی معاملات کے اختلافات ہیں جو روزمرہ کے واقعات میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ جب تک اپنے حدود میں رہے، فی نفسہٖ مذموم نہیں۔ کیونکہ اس میں نفع وضرر دونوں کا احتمال ہے، اس لئے محض تقلیداً متفق ہو جانا مذموم ہوگا۔

اور حدود سے خارج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مختلفین کا منشا، اختلافِ محض ہو، تحقیق یا خیر خواہی نہ ہو بلکہ صرف اپنی بات کو منوانا اور دوسرے کی تذلیل وتحقیر اور اپنے مخالف کی غیبت اور ضرر رسانی کا ہو۔

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ کسی کو مشورہ دیتے وقت مکمل شرح صدر ہونا چاہیے، ورنہ یہ سخت ترین خیانت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ **''ومن أشار علی اخیہ بامر یعلم أن الرشد فی غیرہ فقد خانہ''**۔ (سنن ابی داوٗد: حدیث نمبر، ۳۶۵۷)

ترجمہ:۔ جو شخص اپنے بھائی کو کسی بات کے متعلق مشورہ دے، حالانکہ وہ اس کے لیے یہ جانتا ہے کہ بہتری دوسری بات میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کردی۔

اسی پر تمام دنیوی معاملات کے اختلاف کو قیاس کریں ۔۔۔ مگر واضح رہے کہ جب تک کسی فریق کی منشا کا غلط ہونا متحقق نہ ہو تب تک وہ معذور ہے ورنہ متحقق ہو جانے پر اصرار معصیت ہے۔

ہاں اگر اپنے حق پر ہو جانے کے باوجود محض رفع فتنہ ودفع ضرر کے لیے اختلاف سے دست بردار ہوتا ہے تو یہ بہت عظیم کردار کی نشانی ہے جو یقیناً باعث اجر وفضیلت ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ: من ترک الکذب وھو باطل بنی لہ فی ربض الجنۃ ومن ترک المِراء وھو محق بنی لہ فی وسطھا'' الخ (رواہ الترمذی:۱۹۹۳۔ وابن ماجہ:۵۱)

ترجمہ:۔ جو آدمی جھوٹ کو چھوڑ دے کیونکہ وہ غلط بات ہے تو اس کے لئے جنت کے اطراف میں محل بنایا جائے گا اور جو آدمی حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے اور حجت کو چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے وسط میں محل بنایا جائے گا۔

البتہ اپنے دعوے سے دست بردار ہونے سے کوئی ممانعتِ شرعی لازم آئے تو اس صورت میں یہ دست برداری اور اتفاق ناجائز ہوگا۔ مثلاً عورت کے روبرو شوہر نے طلاق دی، پھر انکار کر دیا، تو عورت کے لیے جائز نہیں کہ اس دعوے سے دست بردار ہو کر شوہر کے انکار کو تسلیم کر لے۔

حدیث شریف میں ہے: **عن عمرو بن عون المزنی عن النبی ﷺ قال: الصلح جائز بین المسلمین الاصلحا حرّم حلالا او احلّ حرامًا۔**
(رواہ الترمذی:۱۳۵۲، وابن ماجہ:۲۳۵۳۔ واللفظ للترمذی)

ترجمہ:۔ مسلمان کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔

یہ تو اہل معاملہ کا اختلاف ہے۔ ایسے وقت میں عوام الناس کے لیے یہ حکم ہے کہ، جب تک دلیلِ شرعی سے ایک کا حق ہونا ثابت نہ ہو، وہ دونوں فریق کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں۔

☆ **قسم دوم:۔** صرف دنیوی معاملات میں وہ اختلاف ہے جو درست نیت و منشا سے خالی ہو، ایسا اختلاف محض نفسانیت کا باعث ہے، اس کا حکم بلاشبہ مذموم محض ہے، خواہ ایک جانب سے ہو یا جانبین سے ہو۔

اب دنیوی معاملات میں اختلافِ مذموم سے متعلق چند نصوص نذر قارئین کررہاہوں۔

اللہ رب العزۃ کا ارشاد ہے۔ ”وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ“ (سورۂ الانفال، آیت ۴۶)

ترجمہ:۔اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کروگے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔ (کنزالایمان)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ الی قوله تعالیٰ ”وَلَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ“ ثم الی قوله تعالیٰ ”اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَاتَجَسَّسُوْا وَلَايَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا“

(سورۂ حجرات، آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲)

ترجمہ:۔تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو۔اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔بے شک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈھو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ (کنزالایمان)

☆اب چند احادیث بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: لایکون لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاثة، فاذالقیه سلم علیه ثلاث مرات کل ذالک ولایرد علیه فقدباء باثمه (رواہ ابوداؤد:۴۹۱۳)

ترجمہ:۔کسی مسلمان کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے، لہٰذا وہ جب اس سے ملے تو سلام کرے تین بار اگر دوسرا ہر بار جواب نہ دے تو وہ سلام کرنے والے کے گناہ کو بھی اپنے سر لادیگا۔

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”ایاکم والظن“ فان الظن اکذب الحدیث ولاتجسّسوا

ولاتنافسوا ولاتدابروا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا عبادالله اخوانا“. (صحیح الادب المفرد:۹۷۲)

ترجمہ:۔بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور کسی کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ اس کی جستجو اور جاسوسی کرو، ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاؤمت، اور آپس میں حسد مت کرو، قطع تعلق نہ کرو، اور اللہ کے سچے بندے بن کر ایک دوسرے کے بھائی بنے رہو۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”الااخبرکم بافضلَ من درجة الصّیام والصّلوٰة والصّدقة؟ قالوا: بلیٰ یارسول الله، قال: ”اصلاح ذات البین فانَّ فسادَذاتِ البین هی الحالقة“ (رواہ ابوداؤد:۴۹۱۹، والترمذی:۲۵۰۹، واللفظ له وقال: هذا حدیث صحیح)

ترجمہ:۔حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ: کیا میں تم لوگوں کو روزہ، صدقہ، نماز سے بڑھ کر چیز نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ضرور فرمائیے یارسول اللہ ﷺ۔تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپسی معاملات کی درستگی اور خرابی، کیونکہ آپسی معاملات کی خرابی انسان کو منڈا بنادیتی ہے۔

وعن زبیر قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ”دبَّ الیکم داءُ الامم قبلکم الحسد والبغضاء هی الحالقة لااقول تحلق الشعرولکن تحلق الدین“ (رواہ الترمذی:۲۵۰۷، واللفظ له، واحمد:۱۴۱۲)

ترجمہ:۔حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا: تمہارے اندر دھیرے دھیرے پچھلی امتوں کا مرض آرہا ہے۔یعنی حسد اور بغض جو مونڈ دینے والی چیز ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو صاف کردیتا ہے۔

عن ابی صرمة مالک بن قیس المازنی ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه

وسلم قال:من ضار ضار الله به ومن شاق شاق الله علیه ۔(رواہ ابن ماجہ:۲۳۴۲، والترمذی:۱۹۴۰،واللفظ لہ وقال ھذا حدیث غریب)

ترجمہ:۔حضرت ابوصرمہ مالک بن قیس مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جوکسی کو نقصان پہونچائے گا،اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہونچائے گا اور جو دوسرے کو مشقت میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی مشقت میں ڈالدے گا۔

اوراسی معنی ومفہوم کی حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

وعن ابی بکر صدیق رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:ملعون من ضار مؤمنا او مکر به۔

(رواہ الترمذی:۱۹۴۱،واللفظ لہ۔مشکوۃ:۴۹۷۰)

یعنی جوآدمی اپنے مومن بھائی کو نقصان پہونچائے، یا اس کے ساتھ فریب اور دھوکہ کرے،تو وہ لعنت زدہ ہے۔

وعن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال :صعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع، فقال: ’’یامعشر من اسلم بلسانه ولم یُفض الایمانُ الی قلبه، لاتؤذوا المسلمین ولاتعیّروهم ولاتتبعوا عوراتهم ؛فانه من یتبع عورة اخیه المسلمِ، یتبع الله عورته، ومن یتبع الله عورته یَفْضَحْه ولو فی جوف رَحْلِه‘‘۔(رواہ الترمذی:۲۰۳۲۔صحیح ابن حبان:۵۷۶۳)

ترجمہ:۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے ندادی تو ارشاد فرمایا: اے زبانی ایمان لانے والو کہ جن کے دل ایمان سے خالی ہیں،خبردار!مسلمانوں کو نقصان مت

پہونچاؤ، نہ ان کو عار دلاؤ، نہ ان کے مخفی عیوب کے درپے ہو، جوآدمی اپنے مسلمان بھائی کے مخفی عیوب کے پیچھے پڑتا ہے،اللہ اس کے مخفی عیوب ظاہر فرماکر اسے رسوائی پر چھوڑدیتا ہے اگرچہ وہ گھر کے اندر چھپ کر کرے۔

وعن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لماعرج بی ربی عزّ وجلّ مررتُ بقوم لهم اظفار مِن نُحاس یخمِشون وجوههم وصدورهم، فقلت: من هؤ لاء یاجبرئیل؟ قال: هولاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضهم .(رواہ ابوداؤد:۴۸۷۸)

ترجمہ:۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب مجھ کو میرے رب نے معراج میں بلایا تو میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے،تو میں نے پوچھا اے جبرئیل!یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھانے والے اور ان کی آبروریزی کرنے والے ہیں۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها:قالت :’’اعتل بعیر لِصَفِیَّةَ بنت حیّ وعند زینب فضل ظهر،فقال :رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لِزینب اعطیها بعیراً فقالت انا أعطی تلک الیهودیة ؟ فغضب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فهجرها ذاالحجة والمحرم وبعض صفر‘‘.(رواہ ابوداؤ:۴۶۰۲)

ترجمہ:۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک اونٹ بیمار ہوگیا۔حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس زائد سواری تھی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:ایک اونٹ دیدو،تو انھوں نے کہا:میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ اس پر حضور ﷺ نے ناراض

ہوکران کو ذوالحجہ،محرم اور چند صفر کے ایام تک چھوڑے رکھا۔

واضح رہے کہ یہاں ''ھجر و''ترک تعلق''اس اختلاف سے بہتر ہے، جوضرر رساں ہو(اسی لیے حضورﷺ نے ایسا کیا)۔لہٰذا اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ یہ حدیث ابتدائی احادیث کے مقید ہونے کی دلیل ہے۔

جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے نقل فرمایا ہے:

مندرجہ بالا نصوص سے قارئین کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ غیبت کرنا،عیب جوئی،بغض وحسد یاذاتی مفاد کے لیے انتشار پیدا کرنا، یہ سب وہ مذموم کردار ہیں، جس کی وجہ سے انسان نفس وہویٰ کا غلام بن کر اختلاف مذموم کا شکار ہو جاتا ہے،نتیجۃً اس کے اندر ایسی انانیت اورعصبیت آجاتی ہے کہ اپنوں کی بری باتیں بھلی لگتی ہیں اورمخالف کی اچھی باتیں بھی بری لگتی ہیں۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں روایات موجود ہیں۔

عن واثلة بن الاسقع، قلت یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،ماالعصبیة ؟ قال :ان تعین قومک علی الظلم۔(رواہ ابوداؤد:۵۱۱۹)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ:عصبیت کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرنا عصبیت ہے۔

عن سراقة بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ رفعه'' خیرکم المدافع من عشیرته مالم یاثم''(رواہ ابوداؤد:۵۱۲۰)

حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم سے مروی ہے کہ:تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جواپنے اقارب کی جانب سے دفاع کرے جب تک کہ ان کے پیچھے ان کی وجہ سے گناہ میں نہ پڑے۔

☆**قسم سوم:** وہ اختلاف جوامور دینیہ میں ہواورفروع میں ہونیز دلیل شرعی

سے مدلل ہو،خواہ دلیل نص ہو یا اجتہاد مجتہد ہو۔یہی وہ اختلاف ہے جوامت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر ہنوز جاری ہے اوراختلاف کے متعدد اسباب ہیں جو کتب اصول اورتصانیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں۔مثلاً **حجة اللہ البالغہ** اور **الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف** میں بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔

زیرنظر کتاب کے مضمون اورعنوان کی مناسبت سے چند اہم اسباب آئندہ صفحات میں اختلاف کے اسباب وعلل میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

☆**قسم چہارم:**۔وہ اختلاف جوامور دینیہ میں ہونیز فروع میں ہو،مگر دلیل شرعی سے مدلل اورنصوص سے منصوص نہ ہو۔یا ایسا قیاس ہوجس کی تطبیق مقیس علیہ پر قطعی نہ ہو بلکہ ظنی ہو۔یعنی وہ اختلاف جس کی دلیل یا تو معدوم ہو یا مخفی ہو،ظاہر ہے ایسے اختلاف انہیں جدید قضایا ومسائل میں ہوتے ہیں جن کی نظیریں ائمہ دین کے مستنبطہ احکام میں موجود نہیں ہوتیں ۔عصرحاضر میں ایسے اختلافات کی کئی مثالیں موجود ہیں جو علما اورصاحبان افتا کے مابین مختلف فیہ ہیں۔

☆**قسم پنجم:**۔وہ اختلاف جوامور دینیہ میں ہواوراصل میں ہواورکفر واسلام کے درجہ میں ہو۔مثلاً مسلمان کا کافر سے،عقیدہ میں اختلاف کرنا۔اوراس کا حکم یہ ہے کہ بلاضرورت شدیدہ یابلا مصلحت شرعیہ کافروں سے میل جول رکھنا سخت ناجائز وحرام اوران سے اختلاط وارتباط نہ رکھنا واجب ہے،مگراس جگہ واضح رہے کہ معاملات ومعاشرات اس سے خارج ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:**وَلَاتَرْکَنُوْٓااِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّکُمُ النَّارُ**۔(سورۂ ہود،آیت ۱۱۳)

ترجمہ:۔اورظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(کنزالایمان)

اِس آیت کے حوالے سے،حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی

الاشرفی الجیلانی دام ظلہ علیٰ اپنی **''تفسیرِ اشرفی''** میں یوں فرماتے ہیں:

''یعنی اگر تم ظالموں کا ساتھ دو گے، تو تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی۔المختصر......ظالموں کے طریقے اور ان کی روش پر راضی نہ ہو، اور ان کے طریقے کی تحسین نہ کرو، اور اس کو خوبصورت نہ سمجھو، اور اس طریقے کے کسی ایک باب میں بھی شریک نہ ہو۔لیکن اگر کوئی شخص دفعِ ضرر یا وقتی منفعت کے حصول کے لیے ناپسندیدگی کے ساتھ ان کے طریقے میں داخل ہو، تو اسے رکون اور قلبی جھکاؤ نہیں قرار دیا جائے گا''۔(تفسیر اشرفی۔ج:۳،ص:۲۰۷)

ارشادِ ربانی ہے:

''جَآءَ کَ مِنَ الْحَقِّ ''(سورۂ مائدہ، آیت۴۸)

ترجمہ:۔آیا ہوا حق چھوڑ کر۔(کنزالایمان)

اللہ رب العزۃ کا ارشاد ہے:

'' فَلَاتَقْعُدْ بَعْدَالذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ''

(سورۂ انعام آیت،۶۸)

ترجمہ:۔تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(کنزالایمان)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍمِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًاوَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ''۔

(سورۂ توبہ، آیت۸۴)

ترجمہ:۔اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔(کنزالایمان)

اِن آیاتِ قرآنیہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مسلمان کا کافر و مشرک سے دینی اختلاف کرنا واجب ہے اور یہ ایمان کی روح ہے۔

رہا سوال اس کے برعکس کا، یعنی کافر کا مسلمان سے دینی اختلاف رکھنا تو یہ

انتہائی مذموم ہے۔قرآن پاک میں کئی مقامات پر اس اختلاف پر وعیدیں وارد ہیں۔

جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْافِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۔

(سورۂ بقرہ، آیت۱۷۶)

ترجمہ:۔اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے وہ ضرور پرلے سرے کے جھگڑالو ہیں۔(کنزالایمان)

قسم ششم:۔وہ اختلاف جو امور دینیہ میں ہو اور اصول میں ہو، مگر درجہ میں سنت و بدعت کے ہو۔اس اختلاف کا حکم باستثنائے احکام مخصوصہ بالکفار، وہی ہے جو قسم پنجم میں ذکر ہوا۔چند احادیث مبارکہ اسی اختلاف کے حوالے سے ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال:هجّرت الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوما فسمع اصوات رجلین اختلفا فی آیة فخرج علینا رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعرف فی وجهه الغضب فقال :انما هلک من کان قبلکم باختلافهم فی الکتب''(رواہ مسلم:۲۶۶۶)

ترجمہ:۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بوقت نصف النہار حاضر ہوا؛ آپ نے دو آدمیوں کی آواز سنی، جو کسی آیت کی بابت اختلاف کر رہے تھے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے چہرے سے غضب ظاہر تھا اور فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ آسمانی کتابوں میں اختلاف کی وجہ سے برباد ہوگئے۔

(۲)۔وعن العرباض بن ساریة فی حدیث طویل من قوله علیه السلام :فانه من یعِشْ منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی

وسنة الخلفاء الراشدين المهديين،عضّواعليهابالنواجذ. واياكم ومحدثات الامور،فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.

(رواہ احمد:۱۷۱۴۴،وابوداؤد:۴۶۰۷،والترمذی:۲۶۷۶،وابن ماجہ:۴۴)

ترجمہ:۔حضورﷺ کی ایک قولی حدیث میں حضرت عرباض بن ساریہ سے یوں منقول ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا:تم میں جومیرے بعدزندہ رہے گا،بہت اختلاف دیکھے گا توتم پرمیری اورخلفائے راشدین ومہدیین کی سنت لازم ہے۔ان کواختیارکرواور دانتوں سے دبالواورنئی چیزوں سے بچواس لیے کہ ہرنئی چیز بدعت ہےاور ہر بدعت گمراہی ہے۔

واضح رہے کہ ہر بدعت یہاں سنت کے مقابل میں بولا گیاہے۔لہٰذاوہی نئی چیز گمراہی کہلائے گی،جوسنت کی مخالف یامعارض ہو،اسی لیےاصولیین نے بدعت کی دوقسم بتائی ہیں۔ایک بدعتِ حسنہ۔دوسرابدعتِ سیئہ۔اورگمراہی کااطلاق بدعت سیئہ پرہوتاہےنہ کہ بدعت حسنہ پر۔

(۳)وعن عبدالله ابن عمررضى الله تعالىٰ عنهماقال قال رسول الله تعالىٰ عليه وسلم :ان بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتتفرق امتى على ثلاث وسبعين ملة كلهم فى النارالاملة واحدة قالوامن هم يارسول الله! قال :ماانا عليه واصحابى.

(رواہ الترمذی:۲۶۴۱)

ترجمہ:۔حضورعلیہ السلام نے فرمایا:کہ بنی اسرائیل ۷۲؍جماعتوں میں بٹ گئے اورمیری امت ۷۳؍فرقوں میں تقسیم ہوگی،ایک جماعت کوچھوڑکرسب جہنم میں جائیں گے۔صحابہ نے عرض نے کیا:یارسول اللہ!وہ کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:وہ لوگ وہ ہوں گے جواسی راستہ پرقائم ہوں گے۔جس پرمیں اورمیرے صحابہ ہیں۔

(۴)وعن عبدالله ابن عمررضى الله تعالىٰ عنهماقال قال

رسول الله تعالىٰ عليه وسلم :ان الله لايجمع امتى اوقال امة محمدعلى ضلالة ويدالله على الجماعة ومن شَذشُذفى النار (رواہ الترمذی:۲۱۶۷)

ترجمہ:حضرت عبداللہ ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:حق تعالیٰ میری امت کوگمراہی پرجمع نہیں فرمائے گا(یا کہامحمد کی امت کو)۔اوراللہ تعالیٰ کادستِ قدرت جماعت پر ہے۔توجوجماعت سے دورہواوہ جہنم میں جائے گا۔

ایسے ہی بےشماراحادیث ونصوص موجود ہیں جواس دینی اختلاف کی حقیقت پردلالت کرتی ہیں۔اورمعاملات ومعاشرات کااستثنایہاں بھی ہے،بلکہ بدرجۂ اولیٰ ہے۔جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے:

عن عائشة ان رجلااستأذن على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال ائذنواله فلبئس ابنُ العشيرة اوبئس رجلُ العشيرة فلمادخل عليه الَانَ له القولَ، قالت عائشة :فقلتُ يارسول الله! قلتَ له الذى قلتَ، ثم النتَ له القول؟ قال ياعائشة! ان شرالناسِ منزلةً عندالله يوم القيامة من ودعه اوتركه الناسُ اتقاء فُحشِه ۔

(مسلم:۲۵۹۱،بخاری:۶۰۳۲)

ترجمہ:۔ایک شخص نبی کریم ﷺ سے ملنے آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اس کوبلاؤویسے وہ براآدمی ہے۔پھرجب وہ آپ کی خدمت میں آیا،تو آپ ﷺ نے اس سے اچھی طرح گفتگوکی۔حضرت عائشہ نے بعد میں عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ نے توپہلے اس کوبراکہااورپھراس سے بات نرمی سے فرمائی ؟ توآپ ﷺ نے فرمایا:اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک وہ آدمی بہت براہوگاجسے لوگ اس کی سخت کلامی کی وجہ سے چھوڑدیں۔

قال النووى .وفى هذالحديث مداراة من يتقى فحشه

وجواز غيبة الفاسق المعلن بفسقه ومن يحتاج الناس الى التحذير منه.

(باب ادارة من يتقى فحشه)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اندر اس شخص کے ساتھ رواداری کا حکم ہے جس کی بدگوئی سے بچنا مقصود ہو۔اور اس شخص کی غیبت کا جواز بھی جو کھلم کھلا فسق کرتا ہو اور جس سے لوگوں کو بچنے کی ضرورت ہو۔

☆**قسم ہفتم** :وہ اختلاف جو غیر حقیقی ہو اور محض بندے کے افعال سے ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز محذور وممنوع نہیں بلکہ درحقیقت یہ تو اختلاف ہی نہیں، محض تعدد ہے۔مثلاً اسباب معاش میں عقلاً اہل تجارت کا اختلاف جو صواب دید پر ذریعۂ معاش کو اختیار کرنے میں ہوتا ہے۔

☆**قسم ہشتم** :وہ اختلاف ہے جو غیر حقیقی ہو اور بفعل حق ہو اور تکوین سے متعلق ہو۔اسی کو **اختلافِ طبائع** سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسے مخلوقات کی صورتیں، مزاج والوان، جن کو اللہ رب العزت نے ایک دوسرے سے مختلف پیدا فرمایا ہے۔

اس اختلاف کی نظیریں قرآن پاک میں کئی ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

" أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ☆ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ"(سورۂ فاطر، آیت ۲۷،۲۸)

ترجمہ:۔کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے پھل نکالے رنگ برنگ،اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ رنگ رنگ کے اور کچھ کالے بھوجنگ (سیاہ کالے)☆اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں۔ (کنزالایمان)

ایسے ہی زبان ورنگ کا اختلاف مثلاً اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ"(سورۂ روم آیت ۲۲)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف۔(کنزالایمان)

اس حوالے سے قرآن پاک میں کئی آیات موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک دوسرے سے جداگانہ ذوات واوصاف پر شاہد ہیں۔

☆**قسم نہم**: یعنی وہ اختلاف جو غیر حقیقی ہو اور بجعل حق (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہو اور تشریع کے متعلق ہو اور شریعت واحدہ میں ہو،اس کی مثال اختلاف قرأت ہے۔اس کا حکم اس اعتبار سے کہ وہ تشریع فعل حق ہے؛ وہی ہے، جو اوپر کی قسم میں گزرا کہ یہ عینِ حکمت ہے۔لہٰذا اس اعتبار سے اس پر عمل کرنا فعل عبد ہے۔اور اس کا حکم یہ ہے کہ سب قرأۃ قرأتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے اعتبار سے برابر ہے جس کو چاہے، اختیار کرے۔کسی کو کسی پر جائز و ناجائز سمجھ کر ترجیح دینا زیادتی ہے۔لہٰذا اگر ان میں ایسا اختلاف کیا جائے گا،تو قسم چہارم میں داخل ہو کر اختلاف مذموم ہو جائے گا۔قرأت سبعہ متواترہ کا اختلاف جائز ہے۔اور وہ اسی قبیل سے ہے۔کیونکہ قرأت کا نزول حقیقی ہے۔اور سب قرأت لغت قریش پر ہے۔اور حروف کا نزول باعتبار نزول حکمی ہے۔اسی لیے باعتبار نزول اس میں اختلاف مجاز ہے۔

☆**قسم دہم**: یعنی وہ اختلاف جو غیر حقیقی ہو اور بجعل حق (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) ہو اور تشریع کے متعلق ہو۔مگر، ایک نہیں بلکہ متعدد شریعتوں میں ہو،اسکی مثال اختلاف شرائع ہے۔جو مختلف انبیا کو عطا کیے گئے اور شریعت متقدمہ (پچھلی شریعت) کے لیے شریعت متأخرہ (بعد کی شریعت) ناسخ ہوتی رہی۔اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعل حق اور عین حکمت ہے، باعتبار عبد سب پر ایمان واعتقاد رکھنا فرض ہے۔اور عمل صرف اس شریعت پر فرض ہے،جس کا وہ مکلّف ہے۔جیسے ہم سب پر شریعت محمدیہ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ہی عمل فرض ہے کیونکہ یہ تمام شرائعِ سابقہ کی ناسخ ہے۔

اور اگر ایک ہی شریعت ہو، مثلاً: شریعت محمدیہ میں ہی ایک حکم دوسرے حکم کا ناسخ ہو، تو وہ بھی اس خاص اعتبار سے شرائع متعددہ کے حکم میں ہے، باوجود کہ حلت وحرمت کے اعتبار سے یہ اختلاف حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ مگر زمانوں کے اعتبار سے اس اختلاف کو غیر حقیقی کہا گیا ہے۔ کیونکہ مختلف زمانے دونوں حکم کے صحت وصدق میں متفق ہیں۔ یعنی ایک زمانہ میں ہونے اور نہ ہونے کے سبب ان میں تعارض نہیں، کیونکہ ایسا حکمت کے تحت ہوتا ہے اور اختلاف حقیقی سے ایسا ہی تعارض مراد ہے، جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا۔

الحمدللہ! مندرجہ بالا سطور میں اقسام عشرہ سے یہ بات قارئین کے ذہن میں آ گئی ہوگی کہ اختلاف حقیقی کیا ہے اور اور اختلاف غیر حقیقی کیا ہے؟ مزید اختلاف کی مختلف صورتوں کا علم ہو گیا ہوگا، جن کے ذریعہ اختلاف محمود واختلاف مذموم کو آسانی سے سمجھا و پہچانا جا سکتا ہے۔ تو اگر اب مذکورہ بالا اقسام اربعہ میں آپ غور فرمائیں گے، تو پتہ چلے گا کہ کہاں اختلاف محمود ہے اور کہاں مذموم۔

آئندہ صفحات میں اسی حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ تفصیل پیش کی جائیں گی۔

☆☆☆☆

اختلافِ محمود واختلافِ مذموم

شریعتِ اسلامیہ کی ہدایات وتعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف اور افتراق کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ افتراق مطلق مذموم ہے اور صرف مذمت کی جگہ اور اس کے موقع پر ہی بولا جاتا ہے۔ (کیونکہ افتراق کا مفہوم ہے گروہ بندی وفرقہ بندی) جبکہ اختلاف کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ اختلاف تو مذمت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے اور عذر وعدم مواخذہ کے محل میں بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ کبھی کبھی یہ اختلاف ممدوح (پسندیدہ) بھی ہوتا ہے۔

اختلاف سے مقصود، رائے کا فہم وادراک ہے۔ یا عمل وکردار کی اصلاح۔ چنانچہ جس طرح یہ، نصوص کے فہم وافہام میں ہوتا ہے، اُسی طرح اوامر ونواہی کے امتثال وعدم امتثالِ امر میں بھی ہوتا ہے۔ جبکہ افتراق یا تفرق صرف یہ ہے کہ لوگ گروہوں میں بٹ جائیں، فرقوں میں تقسیم ہو جائیں۔

اس کے باوجود بہتوں نے تو اختلاف محمود کو بھی اپنی انتہائی جانب دارانہ اور غیر منصفانہ عصبیت کی بھینٹ چڑھا کر اسے اختلاف مذموم بنا دیا ہے؛ جس کے نتیجہ میں اختلاف نے اپنی اصل صورت سے تجاوز کر کے افتراق میں داخلہ لے لیا۔ اسی لیے بعض دور بین اور صاحب الرائے علما بھی شریعت کے اندر پائے جانے والے اختلاف کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے کہ آیا یہ اختلاف قابل تعریف ہے یا مذموم۔ تو ملاحظہ ہو اس حوالے سے علما کے دو گروہ ہیں:

☆ **پہلے گروہ کا نظریہ:** ''جمہور علما اختلافِ محمود کی تائید فرماتے ہیں، اسے قابل فخر سمجھتے ہیں اور لوگوں کے لیے رحمت قرار دیتے ہیں''۔

چنانچہ ان کا ماننا ہے کہ ایسا اختلاف شریعت میں موجود بھی ہے اور ناگزیر بھی،

چنانچہ فقہ اسلامی میں جواختلافات پائے جاتے ہیں وہ ان کے لیے تقویت کے مظہر ہیں،ضعف کے نہیں۔

☆ **دوسرے گروہ کانظریہ:**۔’’اہل علم کاایک گروہ اس کےخلاف ہےاورنفس اختلاف کوہی مذموم ٹھہراتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ اختلاف لوگوں کا خود پیدا کردہ ہے اوراس کی وجہ سےاسلامی معاشرہ کو بہت نقصان پہونچتا ہے‘‘۔

مانعینِ اختلاف کے دلائل

اس کے قائل علامہ شاطبی اورابن حزم وغیرہ ہیں۔جو کہتے ہیں کہ شریعت ایک،صاحبِ شریعت ایک،مرسل شریعت ایک،تو یہ اختلافات کی بھرمار کیوں؟

یہ حضرات اپنی دلیل میں قرآن کی آیت’’**وَلَاتَکُوْنُوْاکَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْاوَاخْتَلَفُوْا**‘‘(آل عمران،آیت۱۰۵)

ترجمہ:اوران جیسے نہ ہونا جوآپس میں پھٹ گئےاوران میں پھوٹ پڑگئی۔

(کنزالایمان)

’’**فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ** ‘‘۔(سورۂ نساء:۵۹)

ترجمہ: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ اوررسول کے حضور رجوع کرو۔(کنزالایمان)

نیز حضرت عمروبن شعیب سے منقول یہ حدیث روایت کرتے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرہ کے پاس چندصحابہ مسئلۂ تقدیر میں جھگڑنے لگے، تو یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحالت ناراضگی ان کے پاس تشریف لائے۔اورفرمایا کہ سابقہ امتیں جدال واختلاف کی ہی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(مسنداحمد)

اوراس کے مجوزین اپنے دلائل میں یوں کہتے ہیں

(الف) کہ شریعتِ اسلامیہ یُسر وآسانی فراہم کرنے کے لیے آئی ہے، عسر وتنگی کے لیے نہیں، نیز لوگوں کوایک موقف پر مجبور کرنے کے لیے بھی نہیں۔

(ب) ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کی بعض نصوص مجمل،مخفی،مشکل، خاص اورعام ہیں جن کے بارے میں اہل علم کی رائیں مختلف ہیں۔اگرشارع کا منشا یہ ہوتا کہ بین المسلمین دنیا میں اختلاف ہی پیدا نہ ہو،تو وہ ایسے نصوص کیوں کر معرضِ وجود میں ہمارے پاس آتیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہو۔

(ج) جب ہارون رشید عباسی نے امام مالک سے مشورہ کیا کہ کتاب ’’**مؤطاامام مالک**‘‘ کومعمول بہ بنانے کے لیےلوگوں کومجبور کیا جائے تو آپ نے اس کی مخالفت کی،اوراپنے قول سے جوازِ اختلاف کی راہ نکال دی۔

(د) وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ’’میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے‘‘اورنیز دیگر اُن احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں، جواس معنی میں وارد ہوئی ہیں۔

(ہ) چونکہ معاشرہ کے احوال وظروف تغیر پذیر ہیں اس لیے یہ اختلافِ احکام کو مستلزم ہیں۔

محاکمہ

دونوں فریقوں کے مابین فیصلہ یہی ہے کہ دونوں کے پیش کردہ دلائل نزاع لفظی کے قبیل سے ہیں۔اس لیے کہ جواس کے مانعین ہیں وہ اس کی مذمت اس لیے کرتے ہیں کہ اس کی آڑ میں فریقین کے مابین رقابت وعصبیت کے جذبات ابھرتے ہیں اورپھرعداوت وخصومت پیدا ہوجاتی ہے جس کے بعد نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ ان کا شیرازہ بکھر جاتا ہےاوراتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس جولوگ اس کے مجوزین ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ اختلاف ہی کے نتیجے میں درپیش مشکلات کا حل پوشیدہ ہے اور اختلاف کی صورت میں ہر پیش آمدہ مسائل کا صحیح چہرہ اور صحیح فیصلہ سامنے آجاتا ہے اور مبتلا بہ کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ جب کہ اس کو نہیں اپنانے کی صورت میں مبتلا بہ شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے اور شریعت کا مسئلہ اپنی جگہ غیر معمول بہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے یہ ایک ناگریز شئی ہے اگرچہ اس میں تفاوتِ عقل وفہم، گردشِ ماحول ومعاشرہ اور نصوص شریعہ کے فہم میں ہوتا ہے مگر اس پر بھی تو اجر کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آسانی، لچک اور رحمت عطا کرنے والی شئی ہے"۔

ان سب کے ساتھ ساتھ افتراق کے مفہوم کا سمجھنا نیز حدیث افتراق امت جو اقسام عشرہ کی بحث میں گزر چکی ہے، اس کے ایجابی مفہوم کو بھی سمجھنا ضروری ہے تاکہ افتراق اور انتشار کے فرق اعتباری کا بھی قدرے ادراک ہوجائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**ان بنی اسرائیل تفرفت على ثنتين وسبعين ملة وتتفرق امتى على ثلاث وسبعين ملة كلهم فى النار الاملة واحدة، قالو: ومن هى يارسول الله؟ قال: ماانا عليه واصحابى**"۔ (رواہ الترمذی: ۲۶۴۱)

ترجمہ:۔ بنی اسرائیل بہتر ۷۲؍ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر ۷۳؍ جماعتوں میں بٹ جائے گی۔ سب جہنم میں جائیں گے، بجز ایک کے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ایک فرقہ وہ ہے جو اس پر چلے، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

جن لوگوں نے بھی امت کے اختلافات پر گفتگو کی ہے، انھوں نے اس حدیث کا تذکرہ کسی نہ کسی طریق اور سند سے ضرور کیا ہے، اور بعض حضرات نے تو انتہائی مبالغہ کے ساتھ اس روایت کو بکثرت موقع محل کی پرواہ کیے بغیر، بیان کیا ہے؛

حتیٰ کہ عوام الناس اور کم علم لوگوں کے سامنے جلسوں میں جو اس حدیث کے صحیح مفہوم کا ادراک نہیں کرسکتے، خوب ذکر کیا۔ اور ان کو اس شش و پنج میں مبتلا کردیا کہ وہ، فرقہ ناجیہ ہے کون؟ اور بہتر فرقوں کا حکم دخول فی النار ہے یا خلود فی النار؟ یا دونوں؟...... جب کہ اس کا صحیح فیصلہ کرنے اور اس میں درست تطبیق دینے کے لیے غایت غور وفکر، طویل وقت، شدید محنت اور سابق حاصل کردہ علوم وفنون میں مہارت تامہ کی حاجت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سردست عوام میں اتنی صلاحیت اکثر نہیں پائی جاتی۔ اس لیے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں حسب ذیل نقاط کے تحت اس حدیث پر کچھ روشنی ڈالوں:

☆ اولاً...... اس کی سند پر کلام ملاحظہ ہو۔

اس حدیث کو شیخین نے اپنی صحیحین۔ بخاری ومسلم۔ میں ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ البتہ ان دونوں کا اس حدیث کو ذکر نہ کرنا اس وجہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ (ویسے حقیقت تو اللہ کو ہی معلوم ہے) کہ یہ حدیث ان دنوں کے لحاظ کردہ شرائط سے خالی ہے۔

لیکن اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیز اصحاب سنن نے متعدد طرق واسانید سے نقل کیا ہے۔ اور اکثر محدثین نے اس کی تصحیح وتحسین کی ہے جیسے۔ حاکم۔ ذہبی، شاطبی، وابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم۔

بعض حضرات نے اس کی تضعیف بھی کی ہے۔ جیسے ابن حزم ظاہری اور ابن وزیر وغیرہما۔

اس حدیث کو پیش کرکے بعض حضرات یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صرف ہم ہی جنتی اور ناجی لوگ ہیں۔ اور دوسرے لوگ ان سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے ان بہتر جہنمی فرقہ میں شامل ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط خیال ہے۔ خود مذکورہ حدیث کے الفاظ سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے اور کلمہ گو ہونے کی حیثیت سے اختلاف کے

باوجود اتحاد کی تائید ہوتی ہے؛اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے اختلاف کے باوجود تمام فرقوں کو اپنی امت کہا ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام فرقے امت محمدیہ میں شامل ہیں، چنانچہ علامہ خطابی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”یہ حدیث بتلاتی ہے کہ ان میں سے کوئی فرقہ دین اسلام سے خارج نہیں ہے،اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سب کو اپنی امت قرار دیا ہے“۔(معالم السنن:۷/۴)

لہٰذا حدیث کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ بعض فرقے بدعملی اور بداعتقادی کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے،لیکن پھر ایمان کی بدولت انھیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کردیا جائیگا۔

بہرحال! اکثر کا مذہب ونظریہ اس حدیث کے ثبوت کا ہے۔ کیونکہ طرقِ حدیث کا تعدد وکثرت اس کی اصل پردال ہے۔لیکن اس موضوع اور باب کی یہ تنہا حدیث نہیں ہے بلکہ چند اور روایات واحادیث ہیں جن کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

(سنن ابی داؤد:۸/۴۲۷)

(۱) حضورعلیہ السلام کا ارشاد صحیح ہے کہ:” امتی هذه امة مرحومة ليس عليهاعذاب فى الاخرةعذابهافى الدنياالفتن والزلازل والقتل“۔

ترجمہ:۔میری یہ امت،امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہ ہوگا۔اس کا عذاب تو دنیا میں فتنوں،زلزلوں اور قتل وغارت گری کی شکل میں ہوگا۔

اس حدیث میں امت کے فتنے،قتل وغارت گری اور زلزلے میں مبتلا ہونے کے باوجود اس امت کی مرحومیت کی طرف اشارہ موجود ہے اور اس حدیث میں محل استشہاد لفظ”الفتن“ ہے جس سے یہ مستفاد ہورہا ہے کہ امت میں اختلاف کی بنیاد پر فتنے بھی ہوں گے مگر اس کے باوجود وہ قابل رحم ہوگی۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گنہگاروں کو بھی آخرت میں عذاب نہ دیا جائے گا، بلکہ ان کے ساتھ معاملہ ویسا ہی ہوگا،جیسا صحیحین وغیرہ کی احادیث میں آیا ہے۔

(۲) یہ امت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل امت ہے۔اور یہ امت کتاب وسنت کے محکمات کی بنیاد پر یقین قطعی کے ساتھ پچھلی امتوں سے افضل ہے۔ نیز، یہ امت پچھلی تمام امتوں سے ان کے زمانہ کی نسبت سے بھی افضل ہے۔

چنانچہ اللہ رب العزۃ کا ارشاد ہے کہ

”كُنتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ“۔(آل عمران آیت ۱۱۰)

ترجمہ:۔ تم بہتر ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

(کنزالایمان)

نیز فرمایا:۔”كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا“(سورۂ بقرہ،آیت ۱۴۳)

ترجمہ:۔اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل۔

(کنزالایمان)

اور اس بابت حضور ﷺ کے ارشادات متواترہ قطعیہ بہت ہیں۔لہٰذا یہ امت افضل الامم ہے۔

حدیث کے ظاہری لفظ (۷۳/۷۲) سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ پچھلی امتوں میں اس امت سے کم اختلاف ہوا،لہٰذا وہ امتیں اِس امت سے افضل ہیں یا یہ وہ امتیں کہ اِس سے کم شر والی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں اختلافات ہوئے،مگر ان میں اختلاف اصول واساسِ دین کے انکار کے ساتھ ساتھ جمود وتعطل،تعصب والحاد بھی تھا،جبکہ اس امت میں اختلاف،بعد تسلیم قواعدِ دین محض فروع میں ہیں،اس لیے یہ امت ان سب سے افضل ہے۔

(۳) صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبہ(گول خیمہ) میں تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تم لوگ اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں!فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت میں نصف ہو۔ہم نے عرض

کیا: جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’**والذی نفس محمد بیدہ انی لارجوان تکونوا نصف اهل الجنة وذلک ان الجنة لایدخلها الانفس مسلمة ومـاانتم فی اهل الشرک الاکالشعرة البیضاء فی جلدالثور الاسود اوکالشعرة السوداء فی جلدالثور الاحمر**‘‘۔

(صحیح بخاری:۶۵۲۸، واللفظ لہ، صحیح مسلم:۲۲۱)

ترجمہ:۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے ۔ مجھکو یہ امید ہے کہ تم لوگ اہل جنت میں نصف ہوگے اور یہ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا۔حالانکہ نسبتاً تم اہل شرک کے مقابلے میں کالے بیل کی کھال کے سفید بال، یا سرخ بیل کی کھال کے کالے بال کی طرح ہو۔(یعنی تھوڑے ہو)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پاک میں اس امت کو یہ بشارت ہے کہ جنت میں داخل ہونے والوں میں نصف آپ ﷺ کے متبعین ہوں گے۔

(۴) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے خطا ونسیان کو معاف فرمایا دیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ شریف کے آخر میں آیا ہے۔’’**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا**‘‘ (سورہ بقرہ۔آیت:۲۸۶)

ترجمہ: اے رب ہمارے! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

(کنزالایمان)

اورحدیث صحیح میں بھی ہے:

’’**ان اللہ تجاوزعن امتی الخطا والنسیان وماستکرھوا علیه**‘‘

(ابن ماجہ، ۲۰۴۳۱، واللفظ لہ عن ابی ذر ۲۰۴۵۔ابن حبان :۷۲۱۹، طبرانی الصغیر ۷۶۵۔دارقطنی :۴/۱۷۰۔بیہقی سنن کبریٰ جلد ۷، ۳۵۶۔کلھم عن ابن عباس)

ان دونوں نص میں محل استشہاد لفظ’’ **خطاونسیان**‘‘ ہے، جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اختلاف واجتہاد میں خطا کے بعد بھی اجر وثواب کی ضمانت ہے۔اور خیال رہے

کہ یہ مضمون فی الجملہ قطعی ہے اور فقہا اور اصولین کے نزدیک مقبول ومعتبر ہے۔

(۵) اللہ رب العزۃ نے اس امت سے وہ سارے بوجھ جو (سخت احکام کی شکل میں) سابقہ امتوں پر تھے، ختم کردیئے ہیں۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ‘‘ (الاعراف،آیت ۱۵۷)

ترجمہ: وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں، اور انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔(کنزالایمان)

اب اگر بعض جدت پسند محققین امت میں **فرقوں کی کثرت** کو جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، مشکل سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں، تو اس کے کئی جوابات دیئے جا سکتے ہیں جن میں سے کچھ جوابات حسب ذیل ہیں۔(۱) اس امت کی عمر کا طویل ہونا اور اس کا تاریخی پھیلاؤ:۔کیونکہ یہ آخری امت ہے اور صبح قیامت تک دوسری امت اس کے بعد نہیں آنے والی ہے۔

(۲) سابقہ امتوں کے افتراق وگروہ بندی کے مقابلہ میں اس امت کا افتراق شر میں بہت کم ہے:۔یعنی اس امت میں خیر وفضل، شر اور فتنہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔(۳) اور فرقہ کا اطلاق ایک جماعت یا بڑی جماعت پر ہی نہیں ہوتا، بلکہ دو آدمیوں کے درمیان افتراق واختلاف کی صورت میں بھی گروہ بندی ہوتی ہے۔لہٰذا امت میں اگر بہت سے فرقے بھی ہوں، تو وہ مجموعی طور پر امت

کا ایک تھوڑا سا نیز محدود حصہ ہی ہوگا۔

بہر حال: مندرجہ بالا سطور سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اختلاف اگر مذموم ہو جائے تو افتراق ہو جاتا ہے اور پھر وہ افتراق انتشار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس میں صرف اور صرف شر کا ہی پہلو غالب ہونے لگتا ہے۔

اب تک تو آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ اختلاف محمود و مذموم دونوں ہو سکتا ہے جبکہ افتراق مطلقاً مذموم ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **''وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ''** (آل عمران:۱۰۵)

ترجمہ: اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انھیں آ چکی تھیں۔ (کنز الایمان)

دراصل اس آیت کے دو جز ہیں۔ ایک میں تفرق (گروہ بندی) کی ممانعت کی طرف صاف اشارہ ہے۔ جبکہ دوسرے میں اختلاف کے محمود اور مذموم دونوں صورتوں کی جانب اشارہ ہے یا کم از کم جانبین کے معذور یا غیر معذور ہونے کا۔ جیسا کہ اس بات کی موافقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ **''اذاحکم الحاکم فاجتهدثم اصاب فله اجران واذاحکم فاجتهد ثم اخطافله اجر''**۔ (بخاری:۷۳۵۲، واللفظ لہ۔ مسلم:۱۷۱۶)

ترجمہ:۔ جب حاکم کوئی فیصلہ کرے اور اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ اخذ کر لے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر نہ پہونچ سکے بلکہ چوک ہو جائے، تو (پھر بھی) اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے۔

غور فرمائیں کہ حضور ﷺ نے یہاں خطا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور **''فلہ اجر''** فرما کر ایک اجر کی بشارت بھی دے دی۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جو شریعت اسلامیہ اس **علیم و خبیر** کی عطا کردہ ہو، جو اپنی مخلوقات پر رحیم و کریم اور ان کے مصالح و فوائد سے بخوبی آگاہ ہو، وہ ذات اس میں محنت کرنے والے کو اس کی مزدوری

کا اجر نہ دے؟ یہ اس کی شانِ کریمی سے بعید ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اختلاف صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو وہ یا تو محمود ہوتا ہے یا کم از کم اختلاف کرنے والا شرعی نظر میں معذور سمجھا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مابین ہونے والے اختلاف کو ہم اسی تناظر میں رکھ سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔

رہا سوال یہ کہ فی زماننا علما فقہا کا اختلاف بھی اسی قبیل سے ہے۔؟ تو اس کے جواب میں مجھے بڑے تاسف کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ دور کے علما وفقہا کے اختلافات و بحث و مباحثے، شریعت کی فقہی اختلافات کی طرح نہیں، بلکہ مجادلات و نزاعات کی طرح ہیں......الا ماشاءاللہ۔

☆☆☆☆

اختلاف تاریخ اسلام کی روشنی میں

تاریخ بتاتی ہے کہ مسائل واحکام میں اس قدر اختلافات ہوئے ہیں کہ ان کا ضبط تحریر میں آنا ممکن نہیں، اگر کہیں ایسا ہوتا کہ جب بھی دو مسلمانوں میں کسی مسئلے کی بابت اختلاف ہو، تو ایک دوسرے سے قطع تعلقی اختیار کر لی جاتی، تو مسلمانوں میں کسی کی عصمت یا اخوت کا نام ونشان تک بھی باقی نہیں رہتا۔

پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اختلاف دین کے اصول، شریعت کے ارکان اور اس کے اساسی مسائل جیسے نماز کے اوقات، رکعتوں کی تعداد، مسائل مواریث، نکاح ووفات، مقدار زکوٰۃ وغیرہ میں نہیں پایا جاتا یعنی وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ احکام میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔ اصول میں تو اختلاف صرف فرقۂ باطلہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی فرقۂ باطلہ اُن اصولی احکام میں بھی کوئی ایسی فاسد تاویل کرے، جس پر ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو، تو یقیناً اس کے درپے ہونا پڑے گا اور اس کی شرعی پکڑ کی جائے گی؛ کیونکہ قطعی الدلالۃ والثبوت احکام میں کسی بھی طرح کا ذہنی خلجان اور قلبی شک مفضی الی الکفر ہے۔ مگر اس عمل و پکڑ کو بھی اختلاف کا نام نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ یہ درحقیقت اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ اسے "رد" کا نام دیا جائے گا۔

البتہ جو احکام اپنے ثبوت یا اپنی مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہوں، انھیں احکام میں صحابۂ کرام، سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے مابین اختلافات ہوئے ہیں۔

دورِ نبوی علیٰ صاحبھا السلام اسلامی تاریخ کا سب سے خوب صورت اور زریں دور ہے، جہاں امت مسلمہ کے مابین بہت کم اختلافات رہے۔ اس کی بنیادی وجہ دینی

معاملات میں شارع اور شریعت اور دنیوی معاملات میں حاکم اور حکم دونوں کا ایک ساتھ موجود ہونا ہے؛ مگر نبی ﷺ پر ایمان لانے کے بعد جب گمراہی کے بعد لوگوں کو راہ راست دکھنے لگا اور پسماندہ ہونے کے بعد راہ ترقی نصیب ہونے لگی، تو ان کی نگاہ وقلب میں صرف یہ بات رہتی کہ اب تو صرف فرامین واحکام نبی پر چلنا ہے اور ان میں لیت ولعل نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ جملہ امور میں رسول کریم ﷺ کی ذات ان سب کے لیے مرکز ومحور کی حیثیت رکھتی تھی چنانچہ جب بھی نیا واقعہ رونما ہوتا تو صحابہ ان کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کر لیتے اور مطمئن ہو جاتے۔ اسی لیے ان کے مابین اختلاف زیادہ رونما نہیں ہوئے مگر پھر بھی اس فطری وطبعی امر نے انہیں بھی نہ چھوڑا، نتیجتاً ان کے مابین بھی اختلافات وقوع پذیر ہوئے۔ اور کچھ نظریں اُس دور زریں میں بھی مل جاتی ہیں۔ جیسے حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پیدا ہونے والا ایک وہ اختلاف، جو بنونضیر سے جنگ کے موقع پر وقوع پذیر ہوا کہ جب صحابۂ کرام نے کافروں کے کچھ درخت کاٹے اور کچھ چھوڑ دیئے؛ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دونوں عمل کو درست قرار دیا اور یہ آیت نازل فرمادی۔: **وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ**۔ (سورۂ حجرات آیت نمبر۹)

ترجمہ:۔ اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں، تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کرو اور عدل کرو۔ (کنزالایمان) تو یہ ہے فقہی اختلاف کی قرآنی شہادت۔

واضح رہے کہ اس آیت میں ان کے جس قتال وجدال کا تذکرہ ہے وہ محض زبانوں اور ہاتھوں کے استعمال کے حد تک ہی تھا۔ (صحیح بخاری:۲۶۹۱، صحیح مسلم ۱۷۹۹، درمنثور ۱۳/۵۵۴۔۵۵۸)

اوران کا یہ اختلاف دراصل ایک سابق اختلاف کا اثر اور ردعمل تھا جو اسلام کی آمد سے پہلے انصار میں اوس وخزرج کے درمیان پایا جاتا تھا۔

اسی طرح حضرات انصار کے ایک خاندان ''**بنوعمرو بن عوف**'' کا اختلاف تھا جس کو ختم کرنے کیلئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود وہاں تشریف لے گئے، اوران کے معاملات کو حل کرنے میں آپ کچھ ایسا مشغول ہو گئے کہ نماز کے وقت (مسجد نبوی تک) پہنچنے میں تاخیر ہوگئی؛ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی امامت فرمائی۔ (صحیح بخاری:۶۸۴ صحیح مسلم:۴۲۱)

اسی طرح ''**غزوۂ بنی قریظہ**'' کے موقع پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اختلاف جبکہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''**لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ**''
(صحیح بخاری:۹۴۶۔ صحیح مسلم:۱۷۷۰ عن ابن عمر واللفظ للبخاری)

یعنی عصر تو بنی قریظہ میں ہی پڑھنی ہے۔

اگر اس اختلاف کی سببیت پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ بعض حضرات نے آپ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیا اور اس سے یہ اجتہاد کیا کہ جلدی کرنا اور بلا تاخیر چلنا ہے، یعنی نماز عصر تک وہاں ضرور پہونچنا ہے۔ اور اس حکم کا تعلق ادائے صلوٰۃ سے نہیں بلکہ جلد پہونچنے سے ہے؛ لہٰذا انہوں نے راستہ ہی میں قضا ہو جانے کے خوف سے نماز پڑھ لی۔ اور اور دوسرے بعض حضرات نے اس کو ظاہر پر رکھا اور اس کا مطلب یہ سمجھا کہ آپ نے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ تو نتیجتاً انہوں نے راستے میں نماز نہ ادا کی بلکہ بنو قریظہ ہی جا کر عصر کی نماز ادا کی۔ جب حضور کو فریقین کے اس عمل کی خبر دی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو نہ کچھ کہا اور نہ خاطی قرار دیا۔

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب مسئلۂ خلافت میں اختلاف ہوا اور حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ''**سقیفہ بنی**

ساعدہ'' میں جمع ہوئے۔ بالآخران سب نے متفق ہو کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام تجویز کیا، حالانکہ بعد میں کافی بحث وتمحیص کے بعد تمام لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر متفق ہو گئے، بایں طور کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یاد دلایا اور یہ بتایا کہ (**الائمۃ من قریش**) یعنی خلیفہ تو قریش سے ہوں گے، تو یہ سن کر حکم نبی کی تابعداری میں سبھوں نے اپنا اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دے کر انہی کو خلیفۃ المسلمین مان لیا۔ (مسند احمد ۱۸: صحیح البخاری ۳۶۸۳ البدایۃ والنہایۃ: ۸۔۸۱۔۹۳)

ایسے ہی دورِ صدیقی میں مرتدین سے جنگ کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہوا، چنانچہ بشمول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ یہی کہہ رہے تھے کہ آخر جنگ کن لوگوں سے کی جائے! تمام مرتدین سے یا صرف مانعین زکوٰۃ سے؟ حضور عالی: میرا مشورہ یہ ہے کہ نماز، مانعین زکوٰۃ کی قبول کی جائے اور زکوٰۃ ان کے لیے چھوڑ دی جائے، کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت کے قریب ہیں (نو مسلم ہیں) حضرت ابوبکر نے لوگوں کی طرف دیکھا تو محسوس ہوا کہ سب عمر کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں، تو حضرت ابوبکر اپنی جگہ سے اٹھے اور منبر پر چڑھ کر حمد وثنا کے بعد اپنے جذبۂ ایمانی کا اظہار کرتے ہوئے نحیف الجسم ہونے کے باوجود حملہ آور شیر کی طرح گرجدار آواز میں حدیث نبی روایت کی ''**امرت ان اقاتل الناس... الحدیث**، (مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں.. الخ) اور فرمایا! **واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ**''۔ (ملاحظہ ہو۔ صحیح البخاری: ۶۹۲۴، ۶۹۲۵ صحیح مسلم: ۲۰ البدایۃ والنہایۃ ۹/۴۳۷) اللہ کی قسم میں ان سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

پھر کیا تھا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں سے جنگ کرنے پر ان کی قوتِ اصرار کو دیکھا اور سمجھا کہ ان کا

نقطۂ نظر بالکل درست ہے، توسبھی نے ان کی بات کوتسلیم کرلیا اور دیکھتے دیکھتے سب ایک رائے پر جمع ہو گئے اوراس طرح فتنۂ مانعین زکوٰۃ کا سرحضرت صدیق اکبر کی دلیری اورجواں مردی نے دیگر صحابہ کی قولی وفعلی موافقت سے کچل ڈالا۔

واضح رہے کہ بعض افتراق وانتشار اختلاف ہی کے بطن سے جنم لیتے ہیں، ان کی مثالیں بھی خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ کبھی تو یہ افتراق محض افتراق کی نیت سے ہی کیا گیا۔ جیسا کہ دورِ صدیقی میں انکار زکوٰۃ کا مسئلہ ہو یا مسلیمہ کذاب کا جھوٹا دعوۂ نبوت ہو۔ یا دورِ فاروقی میں یہود ونصاریٰ نیز منافقین کی شرارت سے سبائیوں اور بلوائیوں کا فتنہ عظیم ہو۔ یہ سب وہ فرقہ بندی کی نظیریں ہیں، جنہیں شروع اسلام میں اختلاف کے زمرے میں رکھنے کی سازش کی گئی، اسی لیے ان سب کا سد باب خوارج کے خلاف جنگ کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا۔

اب جب کہ ہمارا محل نظر افتراق نہیں بلکہ اختلاف ہے، اس لئے آئندہ آنے والے صفحات میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وعلمائے امت کے اختلاف اوران کے معمولات پرسیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔

☆☆☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات اور ان کے معمولات

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اختلاف کی بابت جن لوگوں نے بھی لکھا انہوں نے نمونہ کے طور پراس واقعہ کا عموماً تذکرہ کیا ہے جو مقام ''بنی قریظہ'' کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں پیش آیا، جس کا سبب نبی کریم ﷺ کا یہ مخفی عن الارادہ حکم بنا جو آپ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے بعد دیا تھا کہ ''**لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة** ''(اس کی تخریج گزر چکی ہے)عصر ہر آدمی کو بنی قریظہ میں ہی پڑھنی ہے۔

واضح ہو کہ ''بنوقریظہ'' کے مکانات مدینہ منورہ سے دور نہیں تھے۔ بلکہ مدینہ کے اطراف ومضافات میں تھے۔ پھر بھی صحابۂ کرام اس ارشاد نبوی کی بجا آوری کی بابت دو حصوں میں ہوگئے۔ ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صریح اور قطعی حکم دیا ہے کہ عصر ہم بنوقریظہ میں ہی ادا کریں۔ چنانچہ انہوں نے بنوقریظہ میں ہی نماز عصر ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس بات پر کوئی توجہ نہ دی کہ تاخیر کے سبب نماز عصر کے جانے کا امکان بھی ہے۔

اور دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بنوقریظہ تک جلد از جلد پہنچنا ہے؛ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عصر بہرصورت وہیں پہونچ کرادا کرنی ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے راستے میں ہی نماز عصر ادا کرلی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی فرمان مبارک کے صحیح مراد کو سمجھنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلافات کے واقعات میں یہ سب سے معروف ومشہور واقعہ ہے۔

اس اختلاف کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اختلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ پاک میں ہوا اور آپ کے دیکھنے سننے میں آیا، اوراس پر الگ الگ نوعیت کا عملی نتیجہ

مرتب ہوا ، باوجوداس کے آپ ﷺ نے کسی طرح کی کوئی نکیر نہیں فرمائی ، بلکہ آپ
ﷺ نے صحابہ کے اس عملی اختلاف کو برقرار رکھا، جوسب کے سامنے آیا۔

تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہائے اسلام کے درمیان جوفقہی اختلاف پایا جاتا
ہے ۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس مذکوراختلاف نے اس کی اولین
تاسیس وتعمیر قائم فرمادی تھی؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں! بلکہ یہی اصل وحقیقت ہے؛
کیونکہ انہوں نے اپنے بعدملت اسلامیہ کوایسی شاہرہ پرچھوڑ دیا ہے، جس میں شب
وروز کا کچھ امتیاز نہیں، یوں ہی اصولی واساسی مسائل میں تو ذہنی طبع آزمائی کا سدباب
کردیا؛لیکن فروعی وغیراجماعی مسائل میں فکرونظر،اجتہادواختلاف کاراستہ مفتوح
چھوڑا تا کہ امت ہر دور میں رحمتِ اختلاف سے فیضیاب ہوسکے۔

اس جگہ عرب کے ایک فقہی اسکالرفی زمانناصورتِ اختلاف کی نقشہ کشی کرتے
ہوئے ایک مقالے میں یوں رقم طراز ہوئے:’’ کیوں کہ اسلام کے فقہی مدارس اجمالی طور
پردوبنیادی مدرسوں میں منقسم ہیں:

...... **پہلا مدرسہ:** وہ جسے ہم مدرسۂ نص یا مدرسۂ ظاہر کہہ سکتے ہیں یہ وہ مدرسہ ہے
جونص کی حریت اور ظاہریت کو پکڑتا ہے، اوراسی پرنگاہ رکھتا ہے حتیٰ کہ اس مدرسہ کے بعض
حضرات شریعت میں تعلیل،علت کی بنیادپرحکم کی توسیع اور قیاس کا بھی انکار کرتے ہیں.اور
اس کونہیں مانتے ،اوراس حلقہ کے بعض حضرات میں تشدد بھی ہے جیسے ابن حزم اوران سے
پہلے داؤ داصفہانی اور بعض اس قسم کا مزاج نہیں رکھتے ہیں۔

دوسرا مدرسہ: مدرسۂ مقاصد ہے۔یہ مدرسہ شریعت کے مقاصداوراحکام کی تعلیل کو
اہمیت دیتا ہے نیزنصوص کی رعایت وخیال اس طور پرکرتا ہے کہ اس سے ٹکراؤ ومخالفت نہ ہو،
اوران مقاصد کا استحضار واستعمال بھی ان خاص نصوص کے حق میں ہوتا ہو جو بظاہر متعارض نہ
ہوں، یا کوئی ایسی اہم مصلحت سامنے ہو جو کسی مرجوح نص کوترجیح دینے کی متقاضی ہو، یا کسی
ضعیف قول کواپنانے واختیارکرنے کی، یااس بات کا تقاضا کرے کہ بعض نصوص کے سیاق
وسباق کونئے طریقے سے سمجھنے کی ضرورت ہے‘‘۔

فقہی مدارس ومکاتب انہیں دونوں مدارس یانقطہائے نظر میں بسے ہوئے ہیں۔
جبکہ ایک طبقہ دونوں مدارس کولیکر چلتا ہے اسی لئے ان میں ہنوز کسی ایک مجتہد کی تقلید پر
اجماع نہ ہوسکا اورمحض وسعت اختلاف کی آڑ میں وہ عدم تقلید کے سمندر میں گم گشتہ ہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ دونوں مدرسے اورنقطہائے نظرصحابہ کرام رضوان
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسی اختلاف سے پیدا ہوئے جوعہدنبوی علیہ السلام میں آپ کے
ارشادمبارک کے سمجھنے کی بابت درپیش ہوا،اورآپ ﷺ نے دونوں جماعت کو برانہ فرمایا
اور نہ ہی کسی ایک جماعت کے صائب الرائ ہونے کی نشاندہی کی۔اس موقع پر بعض غیر
مقلداسکالرس کو یہ مغالطہ عام طور پر رہا، چنانچہ وہ حضرات اسی واقعہ کواپنا مستدل بنا کر یوں
کہتے ہیں کہ حضورﷺ کی جانب سے بنوقریظہ کے متعلق صحابہ کے مابین اختلاف کا ختم نہ
فرمانا ہمارے ’’**عدم تقلید**‘‘ کے موقف کی تائید کرتا ہے،تو جواباً عرض ہے کہ اس واقعہ اختلاف
میں تو تقلید ہی تقلید ہے۔کیونکہ صحابہ کی دونوں جماعت نے اپنے اپنے زعم کے مطابق حکمِ
نبی کی تقلید ہی کی ہے۔کیونکہ اگران حضرات کی جانب سے اس عملی اختلاف کوعدم
تقلید مانیں گےتو۔(معاذ اللہ) صحابہ سے نبی کی گستاخی وحکم عدولی ثابت ہوگی ،لہٰذا ثابت
ہوا کہ اس جگہ تو اس واقعہ سے عدم تقلید کی تردید ہوتی ہے نہ کے ثبوت۔اور یہ تو مسلم ہے کہ
حضور علیہ السلام شارع ہیں آپ کا ہرقول ہر عمل یہاں تک کہ کسی معاملہ میں آپ کا سکوت
بھی دلیل شرعی ہے، جبکہ مجتہد قرآن وسنت نیز اجماع وقیاس کی تطبیقی نوعیت پرگہری نظر رکھ
کر مسائل کا استخراج واستنباط فرماتا ہے، لہٰذا اس اختلاف سے عدم تقلید کا نہیں بلکہ مسائل
میں اختلاف کے وقوع اوراجتہاد میں ان کی تصویب بلاترجیح کی طرف اشارہ ہے۔بلکہ غور
کیجئے تو واضح ہوگا کہ ان دونوں جماعتوں میں مجتہد صحابہ تھے،اوران مجتہدین کے اجتہاد پر
باقی صحابہ نے عمل کیا،تو یہ حدیث تو تقلید مجتہد کی بین دلیل ہوئی نہ کہ عدم تقلید کی۔

رہی بات ان اختلافات کی، جوعہد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں درپیش
ہوئے،تو وہ ان اختلافات سے کہیں زیادہ ہیں، جوصحابۂ کرام سے ہوکر تابعین اور تبع

تابعین تک افراد یا جماعت کی شکل مین ظہور پذیر ہوئے اور آخر میں چار مشہور مذاہب۔ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، کے انحصار پر اجماع امت ہوگیا۔ [1] کیونکہ ان شخصیتوں نے بھی کسی نہ کسی صحابی سے اخذ واستفادہ کیا۔ اوران کے فتاویٰ کی روشنی میں مسائل کے فیصلے کیے۔ مثلاً مکی تابعین نے حضرت ابن عباس کے فتاویٰ کو اپنی نظر وفکر کی جولان گاہ بنایا، تو مدنی تابعین حضرت عبداللہ بن عمر کے طریق پر چلے اور کوفیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو اپنی نظر وفکر کا مرکز ومحور قرار دیا۔

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ان هــذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتمد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا. .وفى ذلک من المصالح مالايخفى لاسيما فى هذه الايام اللتى قصرت فيها الامم وأشربت النفوس وأعجب كل ذى رأى برأيه (حجة اللّٰه البالغه. ،باب حكاية الناس قبل المائة اربعة ومعدها ص ۱۵۴ ج ۱ مطبوعة دهلى) وايضا فى عقد الجيد قال: ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها للسواد الاعظم و الخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم. (عقد الجید ص:۳۸)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے واضح طور پر تصریح فرمادی کہ مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی،) یہ ایسے مذاہب ہیں۔ جن کی تنقیح وتدوین ہوچکی ہے گزشتہ زمانے سے لے کر آج تک ان مذاہب کی تقلید کے انحصار پر پوری جماعت کا اجماع ہو چکا ہے اور پوری جماعت نے ان سے سیرابی بھی حاصل کی۔ نیز اہل رائے نے ان کو پسند بھی کیا ہے۔ اور عقد الجید میں بھی یوں منقول ہے کہ: دنیا میں جتنے مذاہب حقہ تھے سب کی مختلف تنقیحات وتعلیلات وترجیحات انہیں مذاہب اربعہ میں مکمل طور پر مدون ہوچکی ہیں، اسی لئے سارے مذاہب، مذاہب اربعہ کے سوا مفقود ومرجوح ہوگئے۔ اس لئے اب صرف مذاہب اربعہ کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے۔ اور مذاہب اربعہ سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے جس کی ممانعت حضور علیہ السلام کے اس قول مبارک سے واضح ہے۔،

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فى النار (رواه ابن ماجه من حديث انس. و مشكوٰة شريف ص ۳۰ ج ۱) قوله اتبعوا السواد الاعظم يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد عليه اكثر المسلين۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۸۳ ج ۱)

بہر حال! اختصاراً وہ اختلافات بھی جو عہد صحابہ سے لے کر تابعین وتبع تابعین تک رونما ہوئے، ان کی چند نظیریں عہد بعہد نظر قارئین کر رہا ہوں۔

جیسے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط سالی کے حال میں چوری کی سزا وحد ساقط فرمادی تھی۔ (۔مصنف عبدالرزاق، ص:۱۸۹۹۰۔ مؤطا امام مالک ص:۱۴۳۶۔ مسند شافعی، جلد ۱، ص:۲۲۴)

اسی طرح انہوں نے ''مؤلفۃ القلوب'' کو زکوٰۃ سے حصہ دینے سے انکار کیا۔

(فصل الخطاب فی سیرۃ عمر ابن الخطاب۔ از: ڈاکٹر علی بن محمد صلابی، ص:۳۶۷)

اسی طرح آپ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو فسخ فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۶۱۶۳، وتفسیر طبری، جلد ۲، ص:۳۷۸)

اس کے علاوہ بھی چند اور بھی مقامات ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ فی الدین کے زریں نقوش نظر آتے ہیں تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ (موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب، صحیح التوثیق فی سیرۃ حیاۃ الفاروق، عمر بن الخطاب لعبد الرحمٰن البکری، فصل الخطاب وغیرہم)

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پردۂ ظاہری کے بعد عہد صحابہ میں رونما ہونے والے اختلافات کو شمار کرنا ممکن نہیں ان کی ایک لمبی فہرست اور بڑی تعداد ہے۔ بطور نمونہ چند نظیریں پیش کر رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے فوراً بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا آپ علیہ السلام کے وصال کی حقیقت پر اختلاف کرنا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطلقاً آپ کے وصال کا انکار ہی نہیں کیا؛ بلکہ اس کے قائل کو قتل کرنے کے ارادے سے تلوار اٹھالی تھی۔ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند آیات کی تلاوت کر کے آپ کا انشراح صدر فرمایا؛ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ: ''گویا میں

نے اس سے پہلے ان آیات کو پڑھا ہی نہ تھا''۔

اس کے بعد مسئلۂ خلافت میں شدید اختلاف ہوا۔ اس حوالے سے ''ثقیفہ بنی ساعدۃ'' کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ پھر مانعین زکوٰۃ سے قتال کے سلسلے میں اختلاف ہوا اس کی بھی تفصیل گزر چکی ہے۔

پھر مرتد اسیروں کے بارے میں شیخین یعنی ابوبکر صدیق وعمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف ہوا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مرتدین کی عورتوں کو قیدی بنایا جائے۔ جبکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں آپ کے اس فیصلے کو منسوخ فرما دیا تھا اور انہیں یعنی مرتدین کی عورتوں کو ان کے گھر والوں کے حوالہ کر دیا تھا ۔ اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی تنقید نہیں فرمائی۔ کیونکہ اجتہادی مسائل میں دونوں کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔

ایسے ہی مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں دونوں کا اختلاف ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوحہ اراضی تقسیم کی گئیں۔ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں تقسیم نہیں ہوئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال سے قبل اپنے بعد کے لیے جانشین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر ہی کو نامزد فرما دیا تھا۔ جبکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ معاملہ شوریٰ کے درمیان سپرد فرما دیا تھا۔ یہ محض نقطۂ نظر کا ہی اختلاف تھا۔

خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کتاب اللہ کے بہت بڑے قاری اور سنت رسول اللہ علیہ التحیۃ والثنا کے بڑے عالم تھے۔ لوگ انہیں حضور نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ بکثرت رہنے

کی وجہ سے اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کچھ زمانے تک ہم لوگ ابن مسعود اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو اس آنے والے شخص سے زیادہ قرآن کا جاننے والا چھوڑا ہو۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے جب ہم سب غائب ہوتے تھے، اور انہیں اجازت ہوتی تھی جبکہ ہمیں روک دیا جاتا تھا۔

یہ تھا مصاحبتِ نبی میں آپ کی اوروں سے تفوق اور علومِ قرآن وعلومِ شریعت میں آپ کا مقام۔ یہاں تک کہ فقہ اسلامی کے مؤخرین نے انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت عمر سے بہت زیادہ متأثر مانا ہے۔ اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی فقہ دانی اور جلالتِ شان میں یگانۂ روزگار ہیں۔ اس کے باوجود دونوں حضرات کے مابین بھی کئی ایسے مسائل اور اجتہادات ہیں، جن میں حضرت عمر وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین موافقت رہی۔ اور اکثر دونوں اپنے طرز استدلال میں متفق بھی رہے۔ اتفاق واتحاد کا یہ حال کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی جانب بعض مسائل میں رجوع بھی کیا ہے۔ مثلاً: ''مقاسمۃ الجد والاخوۃ'' مسئلے میں کبھی ثلث اور کبھی سدس کی طرف۔

ساتھ ہی ساتھ دونوں حضرات کے مابین بہت سارے مسائل میں اختلافات بھی ہوئے ہیں۔ اس اختلاف کو اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی بیان کیا ہے۔

چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

مسئلہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالت رکوع میں اپنے دونوں

ہاتھوں کی تطبیق کرتے تھے اور انھیں گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے؛ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے تھے اور تطبیق سے نہیں روکتے تھے۔

ایسے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ ”تم مجھ پر حرام ہو“ تو یہ یمین اور قسم ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے طلاق مانتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص کے بارے میں جس نے کسی سے زنا کیا پھر اس نے شادی کرلی ہو، تو یہ فرماتے تھے کہ جب تک دونوں ساتھ رہیں گے۔ زنا کار ہی ہوں گے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال یہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ پہلی حالت کو زنا اور دوسری حالت کو نکاح مانتے تھے۔

(ادب الخلاف۔ از: ڈاکٹر صالح بن عبداللہ المکی)

ابن قیم الجوزی نے تو دونوں کے مابین سو/۱۰۰ سے زیادہ مختلف فیہ مسائل شمار کئے ہیں۔

لیکن اس قدر اختلاف کے باوجود دونوں کی آپسی محبت میں کوئی کمی نہ تھی۔ بلکہ، نہایت ہی والہانہ تعلق قائم رہا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آثار صحابہ اور سیر و اخلاق کی کثیر کتابیں دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے **اختلافات فی المسائل** سے بھری پڑی ہیں۔ مگر دونوں کے مابین محبت واخوت اکرام احترام کے زریں نقوش نے سیر واخلاق کی ان کتابوں میں ایک مخصوص چھاپ چھوڑی ہیں۔

چند وہ روایات، جنہیں ڈاکٹر موصوف نے اپنی کتاب **”ادب الخلاف“** میں جمع کیا ہے، قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ان میں ایک نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھا تھا۔ اور دوسرے نے کسی اور صحابی کے پاس۔ تو جس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم حاصل کیا تھا، اس نے کہا: مجھے حضرت عمر بن خطاب نے ایسا پڑھایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی دھاری مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں اور فرماتے ہیں کہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا ہے ویسے ہی پڑھو۔ کیونکہ وہ اسلام کے ایسے مضبوط قلعہ تھے، جس میں لوگ داخل ہوکر نکلتے نہیں تھے، لیکن جب ان کی شہادت ہوگئی تو قلعے میں شگاف پڑ گیا۔

اسی طرح ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ جب انہیں آتے دیکھا تو فرمانے لگے: ”**کنیف ملئی علماً او فقهاً**“ یعنی آپ علم وفقہ کا پٹارہ (یعنی ان سے لبریز) ہیں۔ اور ایک روایت میں: **کنیف ملئی علما آثرت به اهل القادسیة** ”یعنی آپ علم کا پٹارہ ہیں، میں نے انہیں قادسیہ کے (مجاہدین) کے حوالے کردیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نظریہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ چند مسائل کے اختلاف نے ان کے آپس کے احترام ومحبت میں مزید اضافہ ہی کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں بہت سارے مسائل میں دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مختلف تھیں۔ جیسے زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ وغیرہ۔ (صحیح مسلم: ۲: ۱۴۷، فصل الخطاب فی سیرۃ عمر بن خطاب الصلابی: ۴۱، ۴۱۳)

ایسے ہی ”**کلالہ**“ کے بارے میں ان کی خاص رائے تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو اس بابت ایسا فیصلہ کروں گا، جس کو سب مانیں گے اور سب اس کا اعتبار کریں گے جو قرآن پڑھنے والے اور سمجھنے والے ہیں وہ بھی اور جو قرآن کریم کو پڑھتے اور سمجھنے سے تعلق نہیں رکھتے وہ بھی۔ (مسند احمد: ۸۹، مسلم: ۱۶۱۷/ واللفظ للنسائی، سنن کبریٰ: ۱۱۳۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ ”مسافر کو اگر جنابت لاحق ہو اور اس کو پانی نہ ملے تو وہ تیمّم (نماز ادا کرنے کی نیت سے) نہیں کرے گا۔

چاہے جتنا بھی وقت گزر جائے، بلکہ جب بھی اس کو پانی میسر ہوگا تب ہی وہ غسل کر کے نماز ادا کرے گا۔

(مسند احمد ۱۸۳۵۸؍صحیح بخاری:۳۳۸؍مسلم:۳۶۸؍سنن نسائی:۳۱۹؍سنن ابن ماجہ:۵۶۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا آدمی اگر دس سال یا زائد مدت تک بھی پانی پر قادر نہ ہو تو اتنی مدت تک نماز نہیں پڑھے گا! اس قول میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے مؤید و موافق ہیں۔ (مسند احمد:۱۸۳۵۶؍صحیح بخاری:۳۴۵)

جب کہ اِن دونوں حضرات کی اِس رائے کے خلاف جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم سے حجت پکڑی کہ حق تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے: **وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا**" (سورۂ مائدہ: پارہ ۶)

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ (کنز الایمان)

چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام کے جواب میں فرمایا: **"اگر ہم اس میں رخصت دینے لگتے تو یہ ہوتا کہ جہاں کوئی آدمی پانی کو ٹھنڈا محسوس کرتا، وہ پانی (وضو) کو چھوڑ کر تیمّم کرنے لگتا"**۔ (بخاری:۳۴۶)

ظاہر رہے کہ حضرت عمر و حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اختیار کردہ یہ قول مرجوح و بظاہر خلاف نص قطعی ہے۔ اسی لئے بعد میں اس قول کے خلاف اجماع بھی ہوگیا۔ (المغنی۔ ج،۱رص:۱۶۱۔ تفسیر قرطبی: ج،۶رص:۱۰۴۔ المجموع: ج،۲۱رص:۲۳۹۔ اضواء البیان: ج،۱رص:۳۵۸)

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اجتہادی قول کو جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قبول نہیں کیا اس کے باوجود آپ کی شخصیت ان کے

درمیان ہمیشہ باعظمت و پر ہیبت ہی رہی حتّٰی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما جیسی شخصیت جو فرائض کے مسئلہ عول میں اپنی رائے کے حق میں تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک خاموش رہے اور ان کے وصال کے بعد انہوں نے برملا اپنی رائے ظاہر کی جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے آپ خاموش کیوں تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک باہیبت انسان تھے اور میں ان کی ہیبت سے مرعوب تھا۔

(سنن بیہقی کبریٰ۔ ج،۶رص:۳۵۳۔ المغنی: ج،۶رص:۱۷۴؍۵۱۷۵؍۹۱)

آپ ذرا غور کریں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے کس طرح دونوں پہلوؤں کو جمع کیا۔ ایک طرف تو ایک ضعیف قول کو قبول نہیں کیا اس سے قطع نظر کہ اس قول کا قائل کون ہے۔ اور دوسری جانب ایک فقیہ کسی مسئلہ میں قول ضعیف یا مرجوح رکھتا ہے جس کو عمومًا قبول نہیں کیا جاتا لیکن جب صاحب علم و اجتہاد ہو تو اس کی قدر و منزلت میں کوئی کمی بھی نہیں کی جاتی۔

☆اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ محرم جب خوشبو لگائے تو اس کے جسم سے خوشبو نہیں آنی چاہئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: **یرحم اللّٰہ ابا عبد الرحمٰن کنت اطیب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیطوف علی نساءہ ثم یصبح محرما ینضح طیبا.** (بخاری:۲۶۷؍مسلم:۱۱۹۲، واللفظ للبخاری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی اور آپ ﷺ تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ اور پھر صبح حالت احرام ہی میں کرتے اس حال میں کہ آپ کے جسم اطہر سے خوشبو آرہی ہوتی تھی۔

☆حضرت عبداللہ بن عمر کا اپنے والد ماجد
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اختلاف

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات سے منع فرماتے تھے کہ کوئی شخص عمرہ اور حج ایک ساتھ کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو جائز قرار دیتے تھے چنانچہ حضرت سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ:''**انہ سمع رجلا من اھل الشام وھو یسئل عبد اللّٰہ ابن عمر عن التمتع باالعمرۃ الی الحج. فقال: عبد اللّٰہ بن عمر، ھی حلال. فقال الشامی: ان اباک قد نھی عنھا. فقال: عبد اللّٰہ بن عمر ارأیت ان کان ابی نھی عنھا وصنعھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. امر ابی یتبع ام امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ فقال الرجل: بل امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. فقال:لقد صنعھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم**''. (جامع ترمذی:ج،ا،ص:۱۴۱)

انھوں نے شام کے رہنے والے ایک شخص کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حج کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے متعلق سوال کرتے ہوئے سنا تو، حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ جائز ہے۔تو اس نے کہا: کہ آپ کے والد ماجد نے تو اس سے منع فرمایا ہے؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: میرے والد منع کرتے تھے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا ہے۔میں اپنے والد کی پیروی کروں یا اللہ کے رسول کی؟ اس شخص نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (ہاں) بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔

☆حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف

امام بخاری ذکر کرتے ہیں:**لم یر ابن عباس بالقرأۃ للجنب باسا** ۔ (صحیح بخاری ج اص ۴۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنبی شخص کیلئے قرأت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ان کے برعکس حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر کئی

صحابہ وتابعین سے یہ روایت منقول ہے:''**لا یقرا الجنبُ القرآنَ** ''،یعنی......جنبی (ناپاک) شخص قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا۔

☆حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اختلاف

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زیدنخعی فرماتے ہیں: **صلی بنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنٰی اربع رکعات فقیل فی ذلک لعبد اللہ بن مسعود فاسترجع ثم قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنی رکعتین وصیلت مع ابی بکر بمنی رکعتین وصیلت مع عمر بن خطاب بمنی رکعتین فلیت خطی من ار بع رکعات رکعتان متقبلتان. .** (صحیح بخاری ج اص ۴۷)

ترجمہ: ہمیں حضرت عثمان نے منٰی میں چار رکعتیں پڑھائی اس کا تذکرہ حضرت ابن مسعود کے پاس کیا گیا تو انہوں نے''انا لـلہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا؛ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منٰی میں دو رکعتیں پڑھیں پھر ابوبکر کے ساتھ منٰی میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر عمر بن خطاب کے ساتھ منٰی میں دو رکعتیں پڑھیں۔کاش چار رکعتوں کے بجائے دو مقبول رکعتیں میرا حصہ بن جائیں۔

☆حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں: **کنت عند عبد اللّٰہ وابی موسیٰ فقال لہ ابوموسیٰ أرأیت یا ابا عبد الرحمن اذا اجنب فلم یجد ماء کیف یصنع فقال عبد اللّٰہ: لا یصلی حتی یجد الماء فقال ابوموسیٰ فکیف تصنع بقول عمار حین قال لہ النبی ﷺ کان یکفیک قال الم تر عمر لم یقنع بذالک منہ**

فقال ابوموسیٰ فدعنا قول عمار کیف تصنع بهذه الایة فمادری عبد اللّٰه مایقول فقال انا لو رخصنا لهم فی هذا لما وشک اذا برد علی احدهم الماء ان یدعه ویتیمم (صحیح البخاری، ج ا ص:۵۰)

ترجمہ: میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ابوموسیٰ نے ابن مسعود سے پوچھا اے عبدالرحمٰن کیا خیال ہے آپ کا جب کوئی شخص ناپاک ہوجائے اور اسے پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے! انہوں نے جواب دیا: وہ جب تک پانی نہ پائے اس وقت تک نماز نہ پڑھے حضرت ابوموسیٰ نے کہا تو پھر آپ حضرت عمار کے قول کا کیا کریں گے جب ان سے تیمّم کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لئے کافی تھا' تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ بھی دیکھئے کہ حضرت عمر نے ان کے قول پر اکتفاء نہیں کیا تھا: تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا: چلیں ہم عمار کے قول کو ایک طرف رکھتے ہیں: آپ اس آیۃ کا کیا کریں گے؟ (**فان لم تجدوا ماء فتیمموا**) تو حضرت ابن مسعود کو اس کا کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے کہا: اگر ہم اس طرح رخصت دے دیں تو جب بھی کسی شخص کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ تیمّم کرنے لگے گا؟

☆ حضرت زید بن ثابت، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت ابن مسعود اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنھم کے درمیان اختلاف

حضرت زید بن ثابت، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنھم اس بات کے قائل تھے دادا کے ہوتے ہوئے سگے بھائی بہن اور باپ شریک بھائی بہن میراث پائیں گے۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر کئی صحابۂ کرام (حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھم وغیرہم) کا

موقف یہ تھا کہ سگے بھائی بہن بھی اور باپ شریک بھائی بہن بھی دادا کے ہوتے ہوئے میراث نہیں پائیں گے یہی قول مفتی بہ ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف ہے۔

چنانچہ.........علامہ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی حنفی لکھتے ہیں:

قال ابوبکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه ومن تابعه من الصحابة بنو الاعیان وبنو العلات لایرثون مع الجد وهذا قول ابی حنیفة وبه یفتی وقال زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه یرثون مع الجد وهو قولهما وقول مالک والشافعی رحمهما الله (سراجی باب مقاسمۃ الجد، ص:۲۹)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق و دیگر آپ کے موافقین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی، دادا کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوں گے۔ یہی امام اعظم رحمۃ اللہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وارث ہوں گے، چنانچہ صاحبین اور امام مالک و امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے۔

☆ حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلاف

آیت مبارکہ: " وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [التوبہ: ۳۴]

اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (کنزالایمان)

آیت مذکورہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری کے درمیان اختلاف تھا۔ حضرت امیر معاویہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ آیت اہل کتاب

کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ جب کہ حضرت ابوذر غفاری کا موقف یہ تھا کہ ان کے اور ہمارے، دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن و ہب بیان کرتے ہیں:

" مررت بالزبدة فاذا انابابی ذر فقلت له ماافترلک منزلک هذا؟ قال: کنت بالشام فاختلفت انا ومعاویة فی " وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " قال معاویة: نزلت فی اهل الکتاب فقلت نزلت یتناوفیهم فکان بینی وبینه فی ذٰلک فکتبتُ الی عثمان یشکونی فکتب الیَّ عثمان ان اقدم المدینة فقدمتها فکثر علی الناسحتی کانهم لم یرونی قبل ذٰلک فذکرت ذٰلک لعثمان ان شئت تنحیت فکنت قریبا فذٰلک انزلنی هذاالمنزل. ولوامروا علی حبشیاَ لسهت واطعت" [صحیح البخاری، جلد: ۱، ص: ۱۸۹]

ترجمہ: میرا "**زبدہ**" سے گزر ہوا تو وہاں حضرت ابوذر غفاری سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا چیز آپ کو اس جگہ لے کر آئی ؟ انھوں نے بتایا کہ میں شام میں تھا، وہاں میرے اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان آیت کریمہ " وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ حضرت معاویہ کا موقف یہ تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، (تو میں نے کہا کہ نہیں، بلکہ قرآن کے اس حکم میں دونوں شریک ہیں) میرے اور ان کے درمیان یہ اختلاف چل ہی رہا تھا کہ انھوں نے حضرت عثمان کو میرے متعلق ایک شکایتی خط لکھا؛ تو حضرت عثمان نے مجھے مدینہ منورہ آنے کا حکم فرمایا، میں وہاں گیا تو

میرے گرد بہت سارے لوگ جمع ہوگئے، جیسے انھوں نے پہلے مجھے کبھی دیکھا نہ ہو۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا، تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: اگر تم چاہو تو ایک گوشۂ عافیت میں چلے جاؤ (یہ تمھارے لیے بہتر ہے) اور قریب ہی رہو گے۔ (تو بھائی) یہ وجہ ہے میرے یہاں اقامت پذیر ہونے کی۔ اور (سن لو!) اگر وہ لوگ مجھ پر کسی حبشی کو بھی امیر بناتے، تو میں اس کی بھی بات مانتا اور اطاعت کرتا۔

صحابۂ کرام کے مابین محض مسائلِ فقہیہ ہی میں اختلاف نہیں، بلکہ بعض اعتقادی مسائل میں بھی ان کے مابین اختلافات کی نظیریں ملتی ہیں۔ مثلاً:

شبِ معراج میں نبی اکرم ﷺ کا رب تعالیٰ کو دیکھنے (دیدار الٰہی) کے بارے میں کثیر صحابہ، خصوصاً سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ام المؤمنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اختلاف ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موقف یہ تھا کہ نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے چشم سر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں:

" اخرج الترمذی من طریق الحاکم بن ابان عن عکرمة عن ابن عباس قال: رأی محمد ربه. وروی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربه، وبه قال سائر اصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزهری وصاحب معمر وآخرون وحکی عبدالرزاق عن معمر عن الحسن انه حلف ان محمد رای ربه" [عمدۃ القاری، ج: ۱۳، ص: ۳۵، مطبوعہ دارالحدیث ملتان]

ترجمہ: امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

حوالہ سے بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اور امام ابن خزیمہ نے بھی قوی روایت کے ساتھ حضرت انس کے حوالہ سے یہی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس کے تمام شاگرد، کعب الاحبار، امام زہری، صاحب معمر اور دیگر کا بھی یہی موقف تھا۔ حضرت حسن یہی بات حلف کے ساتھ بیان کرتے تھے۔

اس کے برعکس ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس شخص کو کاذب قرار دیتی تھیں، جو یہ کہتا تھا کہ محمد ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"عن مسروق قال قلت لعائشة رضی الله تعالیٰ عنها : هل رای محمد ﷺ ربه؟ فقالت لقدقف شعری مماقلت این انت من ثلث من حدثکهن فقد کذب بمن حدثک، ان محمدارای ربه فقد کذب ثم قراء ت "لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهواللطیف الخبیر ، وماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب" الی اخرالحدیث "[صحیح البخاری، ج:۲، ص:۷۲۰، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۹۸، جامع ترمذی، ج:۲، ص:۴۳۷]

ترجمہ: حضرت مسروق کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: یہ بات کہنے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں؟ تمھیں تین باتوں سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اور جو شخص تمھیں یہ تین باتیں بتائے، وہ جھوٹا ہے۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی "آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ فرماتا ہے۔ اور وہ باریک بیں باخبر ہے۔ اور کسی انسان کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (براہ راست) گفتگو فرمائے (ہاں) وحی کے

طور پر یا کسی پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں کو بھیج کر۔

☆**اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا میت پر نوحہ کرنے اور رونے کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اختلاف ہوگیا:**

حضرت فاروق اعظم و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میت پر نوحہ کرنے اور رونے سے منع کرتے تھے اور یہ حدیث بیان کرتے تھے۔

"ان المیت یُعذب ببعض بکاء اهله علیه " [ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۷۱]

ترجمہ: بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ بات پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: **"یرحم الله عمر لا والله ماحدث رسول الله ﷺ " ان الله یعذب المومن ببکاء احد ولکن قال: ان الله یزید الکافرعذابا ببکاء اهله علیه قال. وقالت عائشة حسبکم القرآن ولاتزر وازرة وزر اخری"**[ملاحظہ ہو، صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۷۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے! خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی کے رونے کی وجہ سے مومن میت کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے، بلکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے زیادہ فرما دیتا ہے، پھر فرمایا: تمھیں قرآن حکیم ہی کافی ہے "اور کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں" اور حضرت ابن عمر کے بارے میں آپ نے فرمایا:

"رحم اللّٰہ اباعبدالرحمن سمع شیئا فلم یحفظه انما مرت علیٰ رسول الله جنازة یهودی وهم یبکون علیه فقال انتم تبکون وانه یعذب"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن (ابن عمر) پر رحم فرمائے! انھوں نے سنا لیکن یاد نہیں رکھا، (ہوا یہ تھا کہ) کسی یہودی کا جنازہ نبی کے پاس سے گزرا جس پر لوگ رو رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم رو رہے ہو حالاں کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فقالت عائشة یغفر الله لابی عبدالرحمن اما انه لم یکذب ولکنه نسی او اخطأ"

ترجمہ: تو حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے انھوں نے کذب بیانی تو نہیں کی، ہاں! وہ بھول گئے یا ان سے خطا ہو گئی۔ [ملاحظہ ہو صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۰۳]

﴿تابعین عظام کے صحابۂ کرام سے اختلاف کی چند مثالیں﴾

(۱) حضرت عطا، طاوس اور مجاہد رحمہم اللہ کا حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے اختلاف۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت علی و حضرت جابر رضی اللہ عنہم اس بات کے قائل تھے کہ حج کے بعد عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث ۱۳۱۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اس کے برعکس بعض تابعین (حضرت عطا، حضرت طاوس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم) کا موقف یہ تھا کہ حج کے بعد عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۳۲۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

(۲) حضرت عطا کا جمہور صحابہ سے اختلاف: حضرت علی، حضرت

حذیفہ اور کئی صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا یہ موقف تھا کہ جمعہ صرف شہر میں جائز ہے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۵۰۶۰، ۵۰۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اس کے برعکس تابعی حضرت عطا، گاؤں میں بھی جمعہ قائم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۵۰۷۰، ۵۰۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

(۳) حضرت طاوس، حضرت حسن بصری اور حضرت عطا رحمہم اللہ کا حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اختلاف:

حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اس بات کے قائل تھے کہ زمین کو کرائے پہ دینا جائز ہے۔

[مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۴۵۳۷، ۱۴۵۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

اس کے برعکس بعض تابعین (حضرت طاوس، حضرت حسن بصری اور حضرت عطا) اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ [مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۴۵۳۹، ۱۴۵۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

(۴) ائمۂ تابعین کا حضرت عبداللہ بن عمر سے اختلاف:

امام عبدالرزاق بن ہمام اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"سئل ابن شهاب المتوفی عنها وهی حامل علی من نفقتها؟ قال: کان ابن عمر یری نفقتها ان کانت حاملا اوغیر حامل فیما ترک زوجها؛ فابی الائمة ذٰلک وقضوا بان لانفقة لها" [مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۲۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ترجمہ: حضرت ابن شہاب سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ اس کا نفقہ کس پر ہو گا؟ حضرت ابن

شہاب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بتایا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ تو ائمہ نے اس کا انکار کیا (اور قول ابن عمر کے برعکس) یہی فیصلہ دیا کہ اس کے لیے نفقہ نہیں ہے۔

(۵) حضرت سعید بن جبیر اور دیگر تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ حج فرض ہے اور عمرہ کی ادائیگی سنت ہے، امام محمد ابن شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''**قال عبداللّٰہ الحج فریضة والعمرة تطوع**'' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: حج فرض ہے اور عمرہ کی ادائے گی سنت ہے۔[ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث : ۱۳۶۴۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

اس کے برعکس حضرت سعید بن جبیر اور دیگر تابعین (حضرت عطا، حضرت طاوس، حضرت مجاہد) عمرہ کو واجب قرار دیتے تھے۔ چنانچہ امام محمد ابن ابی شیبہ ہی روایت کرتے ہیں۔

''**سئل سعید بن جبیر عن العمرة واجبة هی ؟ قال نعم**'' حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ انھوں نے فرمایا، ہاں! [ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۳۶۴۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

''**عن عطا وطاوس ومجاهد قالوا الحج والعمرة فریضتان**'' حضرت عطا، طاوس ومجاہد حج اور عمرہ دونوں کو فرض کہتے تھے۔

[ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث، ۱۳۶۵۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

﴿تابعین کے مابین اختلاف رائے کی چند مثالیں﴾

☆ حضرت عطا، حضرت طاوس، حضرت حماد اور حضرت منصور میں اختلاف:

حضرت طاوس، عطا ومجاہد رحمہم اللہ غیر متوضی (بے وضو) شخص کو طواف کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جب کہ حضرت حماد اور حضرت منصور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ امام محمد بن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''**عن عطا وطاوس ومجاهد قالوا لاتطوف بالبیت الا وانت علی وضوء**'' حضرت عطا، طاوس ومجاہد نے فرمایا: تم بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے مگر جب کہ تم باوضو ہو۔[ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث :۱۳۳۴۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

''**عن شعبة قال سألت حمادا ومنصورا وسلیمان عن الرجل یطوف بالبیت علی غیر طهارة فلم یروا به بأسا.**'' (ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۴۳۴۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: حضرت شعبہ کہتے ہیں میں نے حماد، سلیمان اور منصور سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو بغیر طہارت حاصل کیے طواف کرتا ہے، تو انھوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

☆ حضرت حماد اور حضرت حکم رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف:

حضرت حماد اور حضرت حکم کے مابین کئی مسائل میں اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ ذیل میں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

''**سالت الحکم وحمادا عن الرجل یلحق بارض العدو**

اتتزوج امراته؟ قال احدهما لا! وقال الآخر نعم " (ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۷۶۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: امام محمد بن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے پوچھا کہ کوئی شخص دشمن کے علاقے میں چلا جائے تو آیا وہ ان کی عورت سے نکاح کر سکتا ہے کہ نہیں؟ ایک نے کہا ہاں، دوسرے نے کہا نہیں۔

آگے پھر فرماتے ہیں کہ:

"سألت الحكم وحمادا عن احكام اذاخرج الامام حتى يتكلم واذا نزل قبل ان يصلي فكرهه الحكم وقال حماد لاباس به"

ترجمہ: میں نے حکم اور حماد سے پوچھا کہ امام خطبہ کے لیے باہر نکل آئے اور خطبہ شروع کر دے اور جب منبر سے اتر آئے اور ابھی نماز شروع نہ کی ہو، ان دونوں اوقات میں بات چیت کرنا کیسا ہے؟ تو حکم نے اسے مکروہ فرمایا اور حماد نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

☆ **حضرت عطا، حضرت طاوس، حضرت حسن بصری اور حضرت شریح رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف۔**

حضرت عطا اور طاوس اس بات کے قائل تھے کہ مسجد میں حد لگانا مکروہ ہے اور مساجد کے اندر حدود کو جاری و نافذ نہیں کیا جائے گا۔

امام محمد بن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"عن طاوس رفعه قال لاتقام الحدود فی المساجد" [ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۸۶۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ترجمہ: حضرت طاوس مرفوعا بیان کرتے ہیں کہ مساجد میں حدود کو

قائم نہیں کیا جائے گا۔

"عن عطاء انه كره او كان يكره الجلد فی المساجد" [ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۸۶۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ترجمہ: حضرت عطا مساجد میں کوڑے لگانے کو مکروہ جانتے تھے۔

اس کے برعکس حضرت حسن اور شریح مسجد میں حدود جاری کرنے کو جائز قرار دیتے تھے، بلکہ حضرت شریح تو خود مساجد میں حدود کو جاری فرمایا کرتے تھے۔

چناچہ۔ امام محمد بن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"عن الحسن قال تقام الحدود فی المسجد كلها الا القتل" [مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۸۶۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ترجمہ: حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ قتل کے سوا تمام حدود مسجد میں قائم کی جا سکتی ہیں۔

"عن شريح انه كان يقيم الحدود فی المساجد"

[مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۸۶۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

ترجمہ: حضرت شریح مسجد کے اندر حدود جاری فرماتے تھے۔

مذکورہ ہستیوں کے مابین اختلاف آراء کے باوجود آپسی رواداری درجۂ کمال تک تھی۔ صحابہ کرام کے مابین اس تعلق سے رواداری کی مثال تو گذری، ویسے اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں۔ مثلاً: حضرت علی و معاویہ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آپسی معاملات اور خود جنگ صفین و جمل کے بعد بھی حضرت علی کا یہ قول "اخوانناقد بغوا علينا" یعنی وہ ہمارے ہی بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ کا اکثر

مسائل میں حضرت علی سے استفتا کرنا وغیرہ اس بات کی واضح دلیل وثبوت ہے۔یعنی ان حضرات کے درمیان کسی نہ کسی طرح کے اختلاف تو تھے۔مگروہ کسی وقت بھی تعصب و کینہ پروری کا موجب نہیں بنا تھا؛ کیونکہ مسائل و معاملات میں اجتہاد کرنے سے ان کی غرض حق کو پالینا اور افضل الاعمال کو اختیار کرنا ہوتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ اختلاف رکھنے والوں کو معذور تصور کرتے تھے اور اس کی رائے کی تنقیص نہیں کرتے تھے۔اس کے زیر اثر ان میں چشم پوشی کی روح کو فروغ حاصل ہوا اور ”الحب فی اللہ“ کو تقویت حاصل ہوئی۔یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے اُن کے اعمال کو خصوصی برکت سے نوازا اور بے ثمر جدل ونزاع میں پڑنے سے بچالیا۔

چونکہ یہ لوگ حق کو اپنے ہی اقوال وآرا تک محدود نہیں سمجھتے تھے،اس لیے اپنے مسلک وفکر پر قائم رہتے ہوئے یہ دوسروں کو بھی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے مسلک و مذہب کی قدر کرتے تھے۔چناچہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اصحاب برابر مدینہ کے مالکی ائمہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے،حالانکہ یہ لوگ بسم اللہ نہ تو سراً پڑھتے نہ جہراً۔خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک کے فتویٰ پر فصد کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھائی اور قاضی ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی اور دہرائی نہیں۔یوں ہی امام احمد بن حنبل نکسیر پھوٹنے اور جسم سے خون نکلوانے کی صورت میں وضو کے قائل تھے۔لیکن جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ امام کے جسم سے خون نکل آئے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بھلا امام مالک اور سعید بن مسیّب جیسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے کس طرح انکار کرسکتا ہوں!۔اسی طرح امام شافعی نے ایک مرتبہ صبح کی نماز امام ابوحنیفہ کے مقبرہ کے قریب پڑھی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احترام

میں دعائے قنوت نہیں پڑھی۔اور فرمایا کہ ہم کبھی کبھی اہل عراق کے مذہب کو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔یوں ہی قاضی ابو یوسف کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حمام میں غسل کر کے جمعہ کی نماز پڑھائی۔اور جب لوگ چلے گئے تو پتہ چلا کہ حمام کے کنوئیں میں **”چوہیا“** مری ہے۔ان سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں،آج ہمارا عمل اہل مدینہ کے مذہب پر ہوگا کہ ”پانی جب دو قلہ ہو جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا“۔

ان حضرات کے مابین بے شمار فقہی و نظری اختلافات کے باوجود آپسی رواداری میں اتنی یکسانیت،ہمیں یہ سبق دے رہی ہے کہ اختلاف ،صرف اور صرف **”رحمت“** ہے مجادلات ونزاعات کی جولان گاہ نہیں۔

اور یہ تو جانی پہچانی حقیقت اور جگ ظاہر ہے کہ ائمہ مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ (علیہم الرحمہ) کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلافات وقوع پذیر ہوئے ہیں؛ بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا،نہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کا وجود اسی اختلافِ رائے کا مرہون منت اور اسی کا نتیجہ ہے۔اسی طرح ایک مذہب کے ائمہ کے درمیان بھی اختلاف رائے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں،جن کے ذکر کے لیے دفتر درکار ہے،بخوف تطویل ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

ہمارے مدارس عربیہ حنفیہ میں پڑھائی جانے والی فقہی کتابوں میں **”نورالایضاح ومنیۃ المصلی“** سے لے کر **”ہدایہ اخیرین“** تک طلبہ یہی پڑھتے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں امام محمد نے امام اعظم سے اختلاف کیا،فلاں مسئلے میں امام اعظم نے ان سے اختلاف کیا،فلاں میں امام ابویوسف نے امام اعظم سے اختلاف کیا،تو فلاں میں امام زفر نے اختلاف کیا۔

اسی طرح ایک طرف تو قرآن اُن لوگوں کی غایت درجہ مذمت کرتا ہے،جو کتاب اللہ کے آجانے کے بعد فرقہ بندی اور اختلاف میں پڑ جاتے

ہیں اور دوسری طرف قرآن وحدیث کی تعبیر وتفسیر میں صرف متاخرین ہی نہیں ، بلکہ ائمہ، تابعین اور خود صحابہ کرام تک کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں ۔یہاں تک کہ احکام سے متعلق آیات و احادیث بہت کم ملیں گی، جن کی تفسیر وتشریح بالکل متفق علیہ ہو؛ تو پھر ایک سوال ذہن وفکر میں ابھرتا ہے کہ کیا دینِ اسلام کے علمی ستاروں کی جانب سے یہ سب علمی اختلافات و آراء اُس مذمت کے مصداق ہیں ۔جو قرآن میں وارد ہوئی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں، تو پھر وہ کون سا اختلاف ہے جو مشروع وممنوع ہے؟ ہم اس کتاب میں اسی کے آئینے کو سامنے لانے کی غرض سے جسارتِ قلم کر رہے ہیں۔

یہ تمام باتیں و امثلہ اس بات کی دلیل ہیں کہ ائمہ مجتہدین ومفسرین کے درمیان بھی بہت اختلاف رائے اور اختلاف اقوال ہوئے ہیں ۔حتیٰ کہ ہم مذہب محققین ودیگر علما وصاحبان افتا کے درمیان اختلاف رائے اور انھیں علما کے اپنے اسلاف اور دیگر اکابر سے اختلاف رائے پر کتبِ فقہ کے متون ،شروح وتعلیقات واضح دلیل ہیں۔

اس سلسلے میں اختصاراً جن محققین علما کے نام بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں ان میں محقق علی الاطلاق، علامہ ابن ہمام، خاتم المحققین علامہ شامی ،علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی، علامہ بدرالدین عینی حنفی ،امام ابن حجر عسقلانی شافعی، خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی شافعی اور فخر الدین رازی وغیرہم کے نام سرِ فہرست ہیں ۔ان کی تحقیقات وآراء پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اکابر سے اختلاف رائے کا ہونا کوئی حیرت انگیز یا اَن ہونی وبدیعی بات نہیں ہے۔

ہمارے متأخرین وقریب العہد علما میں اس سلسلے کی سب سے واضح اور بین مثال، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی

شخصیت ہے ۔آپ کی تحقیقات وفتاوے ہمارے اس دعوے پر شاہد وعادل ہیں کہ اکابر علما اور مشائخ سے **علمی اختلاف** کرنا جائز ہے اور اس میں ان اکابر کی توہین یا تنقیص شان نہیں ہوتی ۔فتاویٰ رضویہ شریف سے لے کر مختلف رسائل تک کئی تحریروں میں آپ نے بے شمار اکابر علما ومحققین سے اختلاف فرمایا ہے۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے طور پر ذیل میں مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ کے مقالہ سے اور مفتی نور اللہ نعیمی کے فتاوے سے عبارت پیش کر رہے ہیں جسے شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ نے ’’حقائق شرح صحیح مسلم‘‘ میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔

☆فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا اکابر سے اختلاف اور مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ کی تصریح:

مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

’’حقیقت یہ ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذخائر میں یہ تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا، بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو، اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی ۔مولانا ایک مجتہد کی طرح ہر ذی علم سے اختلاف کرتے ہیں ۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جب یہ اختلاف کسی کوشش سے دفع نہیں ہوتا، تب ایک مجتہد کی طرح آپ فریقِ مخالف کے غلطی پر ہونے کا ظن غالب کر لیتے ہیں اور اس کے بعد پھر کوئی رعایت اور سہل گیری یا کسی مروت کے قائل نہیں رہتے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بہت اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ متقدمین ومتاخرین فقہا اور اصولیین پر نہایت فراخ دلی سے تنقید فرماتے ہیں ۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ

صاحبِ فتح القدیر کو جگہ جگہ "**محقق علی الاطلاق**" لکھتے ہیں۔ مگر جب یہی محقق علی
الاطلاق، وضو میں "**بسم اللہ وذکر الٰہی**" کو واجب عمل قرار دیتے ہیں تو مولانا
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "**اقول لم يأت المستدل بشئی حتی سمع
ماسمع**" (مستدل [ابن ہمام] نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی، یہاں تک
کہ جو سنا گیا وہ سننا پڑا۔ (ملاحظہ ہو، فتاویٰ رضویہ، ج:۱،ص:۲۱)

پھر فرماتے ہیں: اور مسئلہ تسمیہ اولاً تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ
مذہب سے منقول نہ محققین مابعد را مقبول۔ خود ان کے تلمیذ علامہ "قاسم بن
قلطوبغا" نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلاف مذہب ہیں۔ ان کا
اعتبار نہ ہوگا۔

آگے مفتی سید شجاعت علی فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا سطور سے چند باتیں
معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) اگر کسی عالم کے پاس قوی دلائل ہیں تو وہ اپنے پیش رو سے حقِ
اختلاف رکھتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا محقق علی الاطلاق کیوں نہ ہو۔

(۲) ائمہ مذہب (جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، ابویوسف وامام محمد) سے بھی
اختلافِ زمانہ کے باعث اختلاف جائز ہے۔

(۳) مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت روشن دماغ تھے۔ وہ محققین سے اختلاف
کرتے بلکہ ائمہ مذہب سے بھی اختلاف زمانہ کے باعث اختلاف کو جائز
قرار دیتے۔ اسی طرح آپ نے اپنے بعد والے اہل علم کے لیے یہ گنجائش
باقی رکھی ہے کہ اگر اختلاف زمانہ سے ان کے بیان کردہ مسئلہ پر مزید بحث کی
جاسکتی ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ
نے بحث کی ہو اور اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی ہو تو بعد والے محققین
کے لیے راہیں مسدود نہیں ہوجاتیں، بلکہ روشن ہوجاتی ہیں اور حقیقت یہی

ہے کہ ایک محقق کا کام انسانی ذہنوں میں گرہیں لگانا نہیں، بلکہ ان گرہوں کو
کھولنا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتاویٰ رضویہ ج:۵،ص:۳۰،۲۴، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور، بحوالہ
شرح صحیح مسلم، ج:۷،ص:۲۵)

☆ فقیہ اعظم مفتی نوراللہ بصیرپوری کی تصریح

آپ فرماتے ہیں کہ "ہمارے مجدد برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا
تطفلات ہیں، جو صرف متاخرین نہیں؛ بلکہ متقدمین حضرات جیسے فقیہ النفس
امام قاضی خان وغیرہ کے اقوال وفتاویٰ شرعیہ پر ہیں۔ جن میں اصول ستہ کے
علاوہ سبقتِ قلم وغیرہ کی صریح تبیین بھی مذکور ہیں اور یہ بھی نہاں نہیں کہ
ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں، تو تطفلات کا دروازہ
اب کیوں بند ہوگیا؟ کیا کسی مجدد ہی کی کوئی تصریح ہے یا کم از کم اتنی ہی تصریح
ہو کہ اصول ستہ کا زمانہ اب گزر گیا؟۔ لہٰذا "لکیر کا فقیر بننا" اب فرضِ عین
ہوگیا ہے؟ کیا تازہ حوادث ونوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں؟ کہ ہم
بالکل **صم بکم** بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان خرافات مزعومہ کی تصدیق
کریں کہ معاذ اللہ، اسلام فرسودہ مذہب ہے۔ اس میں روزمرہ کی ضروریات
زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں؟ **ولاحول ولاقوۃ
الا بالله العلي العظيم**"۔ (ماخوذ از حقائق شرح مسلم ج،۷،ص،۲۵/)

آگے جلد اول میں مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں اکابر مشائخ عظام پر بکثرت
تطفلات کا ذکر فرمایا ہے؛ حتی کہ پہلی ہی جلد میں انیس سے زیادہ تطفلات
ذکر کیے ہیں مثلاً صفحہ ۸۲۷/جلد اول میں فرمایا:

**"سبق قلم من الامام فقيه النفس رحمه الله تعالیٰ رحمة
واسعة ورحمنا به في الدنيا والآخرة ،آمين"**

امام فقیہ النفس کا قلم تجاوز کر گیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت واسعہ فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی دنیا و آخرت میں رحم رمائے۔ آمین

اور پھر نہایت زریں ارشاد فرمایا:

''**ولاغرف فلكل جواد كهوة ولكل صارم منوة و لاعصمة الا لكلام الالوهية ثم النبوة** ''(امام مذکور سے اگر میں نے اختلاف کیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ ہر تیز رفتار گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے اور ہر تیز تلوار بھی کند ہو جاتی ہے اور عصمت صرف اور صرف اللہ اور رسول کے کلام کو حاصل ہے۔ (ماخوذ از حقائق شرح صحیح مسلم، ج۷، ص۲۵)

مذکورہ دونوں عبارات جلیلہ سے واضح ہو گیا کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اکابر علما و مشائخ سے بکثرت اختلاف رائے فرمایا ہے اور اس اختلاف کے دوران کسی کے **فقیہ اعظم** یا **محقق علی الاطلاق** ہونے کا قطعاً لحاظ نہیں فرمایا، بلکہ دلائل و براہین کے ساتھ ان کی تحقیق کو غیر مقبول قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات میں بالترتیب مفتی سید شجاعت علی قادری اور مفتی نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہما الرحمہ نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو مثالیں پیش کی ہیں، ان میں صرف محققین احناف سے اختلاف رائے کا تذکرہ ہے۔ راقم الحروف ذیل میں ایک ایسی مثال پیش کر رہا ہے جس میں مجدد برحق امام احمد رضا خاں قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑوں سے اختلاف کیا۔

اس مثال کی تقریر سے قبل یہ سمجھنا چاہیے کہ: بیوع کی مختلف اقسام میں ایک قسم ''بیع عینہ'' بھی ہے۔ بیع عینہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے ایک ہزار روپیہ قرض لینا چاہتا ہے اور وہ بغیر سود لیے اسے قرض دینا نہیں چاہتا۔ اب وہ سود سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کو ایک ہزار روپیہ کی کوئی چیز پندرہ سو میں چھ ماہ کے ادھار پر فروخت کر دیتا ہے، پھر بعد میں اسی

شخص سے ایک ہزار روپے نقد دے کر خرید لیتا ہے۔ اس طرح ضرورت مند کو فوری طور پر ایک ہزار روپیہ مل گیا اور قرض دینے والے کو ۶/ماہ بعد پانچ سو روپیہ زائد مل جائے گا۔

بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس بیع کو جائز قرار دیتے تھے اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمہ بھی اسے جائز قرار دیتے تھے۔ جب کہ سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت انس ابن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم و امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ اس بیع کو ناجائز و حرام قرار دیتے تھے حتی کہ سیدہ عائشہ کے سامنے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جب اس بیع کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''**ابلغی زیدبن ارقم، ''ان اللّٰه تعالیٰ ابطل حجَه و جهادَه مع رسول اللّٰه ﷺ**''۔

ترجمہ:۔ تم زید بن ارقم کو یہ خبر پہنچا دو کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو حج اور جہاد کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مصنف عبد الرزاق، ج:۷، ص:۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور امام محمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''**هذاالبيع في قلبي كامثال الجبال ذميم اخترعه اكلة الربا**''

ترجمہ:۔ اس بیع کی برائی میرے دل میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سودخوروں نے گڑھ لیا ہے۔ ناجائز قرار دینے والے ان تمام اکابر (صحابہ و ائمہ مجتہدین وغیرہم) کے موقف کے برعکس سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیع کو محض مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''**لانه لايكره الا تنزيها فكذا هذا ولايهولنك قول محمد**

انہ یجدہ مثل الجبل فانہ قال مثلہ بل اشدمنہ فی العینہ وماثبت لھاالاکراھة التنزیھیة قال فی ردا لمحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بھا کذافی مختار الفتاویٰ ھندیہ وقال محمد ھذاالبیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعہ اکلة الربا،وقال علیہ الصلوة والسلام اذاتبایعتم العینة واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظھر علیکم عدوکم قال فی الفتح ولاکراھیة فیہ الا خلاف الاولیٰ لمافیہ من الاعراض عن مبرة القرص اھ، واقرہ علیہ فی البحر والنھر الدروالشرنبلالیة وغیرھا، وقال ایضا فی فتح القدیر قال ابویوسف لایکرہ ھذاالبیع لانہ فعلہ کثیر من الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم وحمدوا علی ذٰلک ولم یعدوہ من الربا،اھ'' (کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراہم،ص:۵۸،مطبوعہ منظمة الدعوة الاسلامیہ)

ترجمہ: اوراس لیے کہ بیع عینہ نہیں مگرمکروہ تنزیہی،تو ایسے ہی یہ بھی۔اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے؛ تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انھوں نے ایسا ہی ، بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اوراس کے لیے ثابت نہ ہوئی مگر کراہتِ تنزیہیہ۔ ردالمحتار میں طحطاوی، عالم گیری اور مختار الفتاویٰ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنے والے کوثواب ملے گا۔اورامام محمد نے فرمایااس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سودخوروں نے ایجاد کیا۔اورنبی ﷺ نے فرمایا: جب تم بطورعینہ خریدوفروخت کرو،اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلوتو ذلیل ہوجاؤ گےاورتمھارادشمن تم پرغالب آجائے گا۔فتح القدیر میں فرمایا: عینہ میں کوئی کراہت نہیں،سواخلاف اولیٰ کے۔اس میں قرض دینے کے اچھے

سلوک سے روگردانی ہے۔انتہیٰ۔اوراسے **بحر الرائق** اور**النھر الفائق** اور **درمختار** اور **شرنبلالیہ** وغیرہا نے برقراررکھا۔نیز فتح القدیر میں ہے کہ امام ابویوسف نے فرمایا: یہ بیع مکروہ نہیں۔اس لیے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کیا اوراس کی تعریف کی اوراسے سود نہ ٹھہرایا۔انتہیٰ[ترجمہ از حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ ،کفل الفقیہ الفاھم ،مترجم ،ص:۲۷،مطبوعہ رضافاؤنڈیشن،لاہور]

اختلاف رائے کی حیثیت اورحقیقت کوواضح کرنے کے لیے میں نے جواب تک مثالیں سطور بالا میں پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام،تابعین،ائمہ مجتہدین اورعلمائے محققین سب کے درمیان غیر معمولی مسائل وجزئیات میں اختلاف ہوااورکسی نے بھی نہ توفریقِ ثانی کی توہین کی اورنہ ہی کردارکشی تک بات پہونچائی،نہ ہی کسی بھی طرح کی بےادبی کا کوئی شائبہ چھوڑا؛لہٰذا اگرکوئی شخص زمانۂ بعد میں اپنی تحقیق ودلائل کی روشنی میں ادب واحترام کے ساتھ اپنے متقدمین یا معاصرین سے کسی مسئلہ میں اختلاف رائے رکھتا ہے، تو اسے اکابر کی توہین قراردینے کے بجائے صحابۂ کرام ،تابعین عظام،ائمہ مجتہدین اورعلمائے محققین کی اتباع پر ہی محمول کیا جائے گا۔اورکیا جانا چاہیے۔اوراگرایسا نہ ہو، بلکہ تعصب اورہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا تو یہ عمل اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے غیر کے کلام کوبھی معصوم قراردینے کے مترادف ہوگا۔جوخود امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول **''ولاعصمة الالِکلام الالوھیة ثم النبوة''** (عصمت صرف اورصرف اللہ اوراس کے رسول کے کلام کوحاصل ہے) سے سمجھا جاچکا ہے۔

مزید اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ارشادفرماتے ہیں:

''انبیاعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی بشرمعصوم نہیں اورغیر معصوم سے کوئی

نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالمعدوم نہیں، پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے۔''

کل ماخوذ من قوله ومردود علیه الا صاحب هذاالقبر ﷺ. [فتاویٰ رضویہ قدیم جلد:۶،ص:۲۸۳،فتاویٰ رضویہ جدید جلد۱۵،ص:۴۶۷]

ترجمہ: اِس روضۂ پاک والے ﷺ کے سوا ہرایک کا قول مقبول بھی ہوتا ہے اور مردود بھی۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین اور محققین کا اپنے سے زیادہ وسیع العلم اکابر سے اختلاف رائے فرمانا ان کے اس عقیدے کی واضح دلیل اور اس کا اظہار ہے ''**ولاعصمة الالکلام الالوهية ثم النبوة**'' اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کا کلام معصوم نہیں۔ نیز اس بات کی تائید اور توثیق ہے کہ کم علم والا اپنے سے زیادہ علم والے سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کرسکتا ہے۔ اس حوالہ سے شارح صحیح مسلم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اپنی کتاب ''حقائقِ شرح مسلم'' جلد ہشتم میں رقم طراز ہیں کہ:

''جس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (میت پر رونے کے مسئلہ میں) اختلاف کیا ہے، اس کے تحت علامہ ابن حجر مکی شافعی نے یہی لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ کا حضرت عمر کی جلالت علمی اور وسعت علمی کے باوجود ان سے اختلاف کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ مجتہد دلیل کا پابند ہوتا ہے، اور اس بنیاد پر وہ غیر کو خطا پر بھی قرار دے سکتا ہے۔ اور **اس کے موقف کے مبنی بر خطا ہونے پر قسم بھی کھا سکتا ہے۔** (جیسے حضرت عائشہ نے حضرت عمر سے اختلاف کرتے ہوئے قسم کھائی) اگرچہ فریق ثانی اپنے اختلاف کرنے والے سے زیادہ جلیل اور وسیع علم رکھتا ہو۔

علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں: علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم جب ابن حجر مکی شافعی سے ان کی کسی غیر صحیح بات پر اختلاف کرتے ہیں، تو شافعی حضرات ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ''علامہ ابن حجر مکی بہت بڑے عالم دین، شیخ الاسلام اور مفتی الانام ہیں؛ تم جیسوں کو ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے''

چنانچہ (علامہ علی قاری فرماتے ہیں): یہ شافعی حضرات تقلید کی پستی سے باہر نہیں آئے۔ تقلید کی قید سے آزاد نہیں ہوئے اور میدانِ تحقیق میں وارد نہیں ہوئے (اگر یہ کھلے دماغ سے کام لیں تو یہ جان لیں گے کہ) علامہ ابن حجر مکی شافعی کی ذکر کردہ عبارت میں ہی ان کے، اور ہمارے اختلاف رائے پر ناراضگی اور اعتراض کا واضح رد ہے۔

علامہ ابن حجر مکی کی اِس عبارت کو علامہ علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے مرقات میں نقل فرمایا ہے اور اس کے تحت درج ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔ ذیل میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو۔

''قال ابن حجر وفیه ان المجتهد اسیر الدلیل وان له لاجل ذٰلک ان یخطئی غیره وان یحلف علی خطائه وان کان اجل منه واوسع علماً. اذ عمر کذٰلک مع عائشة رضی الله عنها''اه. فیه دلیل صریح ونقل صحیح یصلح للرد علی بعض المنتبین الی فقه الشافعی، و من اهل زماننا المعترضین علینا ممن لم یخرج عن حضیض التقلید، ولم یتخلص من قید التقیید، ولم یبرز فی میدان التحقیق والتائید؛ عند اعتراضنا علی ابن حجر اذاوقع له کلام غیر سدید، بان مثلک لایجوز له الاعتراض علی شیخ الاسلام مفتی الانام ابن حجر، الذی

هو جبل من جبال العلم عند الائمة الاعلام" [مرقات شرح مشکاۃ، ج:۴،ص: ۲۲۹،مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،مرقاۃ بطبع مکتبہ فیصل ج۴،ص۱۹۹۔باب البکاء علی المیت]

ترجمہ:۔اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مجتہد دلیل کا تابع ہوتا ہے،جس کی بنیاد پراس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غیر کوخطا پرقرار دے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے غلط ہونے پرقسم کھائے،اگرچہ وہ (مدمقابل)علم میں اس سے زیادہ جلالت اوروسعت کا حامل ہو،کیوں کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ کامرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت زیادہ تھا۔(اب حضرت ملاعلی قاری حنفی فرماتے ہیں)اس عبارت میں واضح دلیل اورصحیح نقل ہے،جو ہمارے زمانے کے بعض اُن شافعی علما کے لیے سامانِ رد ہوسکتا ہے جو ہماری جانب سے علامہ ابن حجر پرفقہی اعتراض واختلاف کرنے پرمعترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "تم جیسوں کے لیے یہ زیبانہیں کہ شیخ الاسلام اورمفتی الانام علامہ ابن حجرپراعتراض کرو۔ارے!وہ تو علماے اعلام کے نزدیک علم کا پہاڑ ہیں" یہ(شافعی علماے معترضین)تقلید کی پستی اورتقیید کی قید سے باہر نہیں آئے اورنہ ہی میدان تحقیق وتائید میں وارد ہوئے ہیں۔(اگر یہ تقلید کی پستیوں سے نکل کرمیدان تحقیق میں آئیں توکبھی ایسے اعتراض نہ کریں۔)

مذکورہ بالاتصریحات وتوضیحات سے یہ خدشہ باقی نہیں رہنا چاہیے کہ مفضول کا افضل سے یا کم علم والے کا زیادہ علم والے سے اختلاف کرنا امر مذموم ہے۔نیز امام اہل سنت کے اس قول نے مزید وضاحت کردی کہ" **لاعصمة الالكلام الالوهية ثم النبوة** "عصمت(قول وفعل میں وقوع خطا کا نہ ہونا)صرف اورصرف اللہ عزوجل اوراس کے رسول ﷺ کے کلام کوہی حاصل ہے۔

اب ذیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل سنت امام احمد رضاخان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ہوئے ایک اختلاف کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے"**فتاویٰ عزیزیہ**"میں لکھا ہے کہ:"پیر کے نام کا بکرا حرام ہے خواہ بوقتِ ذبح تکبیر کہی جائے"۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی اس عبارت کے متعلق سوال کیا گیا"آیا یہ صحیح ہے یانہیں؟ تواعلیٰ حضرت نے جواباًارشادفرمایا:اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیتِ ذابح کا اعتبار ہے۔اگراس نے اراقۃِ دم تقرب الی اللہ(یعنی جانورکوذبح محض اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے کی)اوروقتِ ذبح نامِ الٰہی بھی لیا،توجانوربنص قطعی(قرآن عظیم)حلال ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

"**وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُواْ مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ**"(سورۃ الانعام:۱۱۹)

ترجمہ:اورتمھیں کیاہوااس میں سے نہ کھاؤجس پراللہ کانام لیا گیا۔

(کنزالایمان)

نیزفرماتے ہیں کہ تفصیل فقیر کے رسالہ"سبل الاصفیا"میں ہے۔شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی اوروہ نہ فقط فتاویٰ؛ بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے۔اورنہ ایک ان کے فتاویٰ،بلکہ کسی بشرغیرمعصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں،جس میں سے کچھ متروک نہ ہو۔سیدناامام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذاالقبر ﷺ

(فتاویٰ رضویہ قدیم جلد:۸،ص:۳۵۶۔ذبائح،فتاویٰ رضویہ جدید جلد۲۰،ص:۲۹۶)

ترجمہ:اس روضۂ پاک والے ﷺ کے سوا ہرایک کا قول مقبول بھی ہوتا اور مردودبھی ہے۔

☆☆☆☆

ماضی قریب میں علما اور مشائخ کے درمیان ہونے والے اختلافات کا مختصر جائزہ

مذکورہ بالاتفصیلات وتمثیلات سے یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہو چکی کہ اختلاف ایک امرِ مشروع ہے، جو دورِ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر آج تک جاری وساری ہے۔اوراس میں ہر زمانہ کے نفوسِ قدسیہ(صحابہ،تابعین ،سلف صالحین،ائمہ دین وعلماے ربانیین)کے اختلافاتِ فقہیہ فرعیہ،صرف **"الدین النصیحہ"** کے جذبۂ حق سے سرشار ہوکر صادر ہوا کرتے تھے،جس اختلاف میں اُن کی جانب سے نہ کوئی تکبر وریاکاری ہوا کرتی تھی اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی رُعبِ خاندانی۔اور یوں ہی نہ کوئی ذاتی ہمہ دانی کا دعویٰ ہوتا تھا؛ بلکہ اُن اختلافات میں تو اُن کے مقاصد محض صحیح حکم ومسلہ کی تلاش وجستجو،خلوص للّٰہیت کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ خاص بات یہ کہ فریقین ایک دوسرے کواپنے کسی ایک قول یافتویٰ کے ماننے پر مجبور بھی نہیں کیا کرتے تھے۔بلکہ، باہم محبت والفت نیز جانبین میں ایک دوسرے کا پاس ولحاظ،ادب واحترام ہمیشہ بحال رہتا تھا؛ پھر چاہے وہ اختلاف،صحابی سے صحابی کا ہو یا تابعی سے تابعی کا،یوں ہی ائمۂ مجتہدین سے فقہاوعلمائے ربانیین کا،یا اسی طرح اپنے سے کم علم والے کا زیادہ علم والے سے ہو یا پیر کا اپنے مرید سے،یا مرید کا اپنے پیر سے؛غرضیکہ اختلاف کی ساری شخصی کیکری میں اُن کے مابین آپسی محبت والفت،مودت ورأفت،علمی وخاندانی پاس ولحاظ اورادب واحترام برقرار رہتا تھا۔

تو پھر کیا بات ہے کہ مادیت کے اس پُرفتن دوراورنازک ماحول میں ہمارے درمیان علمی وفقہی اختلاف انتشاروافتراق میں بدلے جارہے ہیں،اس پر مزید حیرت واستعجاب کی بات یہ ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ امتِ مرحومہ مختلف محاذ پر ایک دوسرے سے نبردآزما ہوتی جارہی ہے!!! **فاعتبروا یا اولی الابصار.**

امت مسلمہ کے افراد، بالخصوص مسلمانانِ برصغیر کی اسی زبوں حالی پر ہماری جماعت کے عظیم دردمند عالم دین،حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی اپنے رسالہ" **فرعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت**" میں یوں رقم طراز ہیں:"فرعی اختلافات علمائے اہلسنت و جماعت کے درمیان صدیوں سے ہوتے چلے آرہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے، یہ اختلافات اگر اخلاص نیت کے ساتھ علمی تحقیقی بنیاد پر ہوں،تو باعثِ رحمت، ورنہ باعث ہزار زحمت،ثابت ہوں گے"۔

قارئین کرام کواچھی طرح معلوم ہے کہ آج سے تقریباً سوسال پیشتر خطبہ جمعہ سے پہلے دی جانے والی اذان کے خارجِ مسجد یا داخلِ مسجد دیئے جانے کے مسئلہ پر اکابر علمائے اہلسنت کے درمیان ایک مدت تک بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہا، جس کے ناخوش گوار اثرات ونتائج بھی سامنے آئے۔

ساٹھ،ستر سال پہلے،نماز میں لاؤڈاسپیکر کے استعمال اوراسکی اقتدا میں نماز کے جواز وعدمِ جواز کا مسئلہ بھی علمائے کرام کے درمیان،زیرِ بحث رہا۔اور چند سال پیشتر (۲۰۱۳)میں چلتی ٹرین میں فرض وواجب اور ملحق بواجب نمازوں کے اعادہ اور عدم اعادہ کے درمیان بھی،علمائے اہلسنت کے درمیان اختلاف ہوا؛ اسی طرح بعض دیگر مسائل بھی زیرِ بحث آتے رہے(فرعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت صفحہ،۱)

فقیر اشرفی، راقم الحروف جب سے سنِ شعور کو پہنچا،تب سے لیکر آج تک اگر،اختلافات کی **لاتعداد مثالیں** اکھٹا کرے، تو یہ کتاب کافی ضخیم ہو جائے گی اور خاطر خواہ مقصد پورا نہ ہوگا۔پھر بھی چند مثالیں بطورِ افادہ نذر قارئین کر رہا ہوں۔

☆ شیخ الاسلام والمسلمین حضور سید محمد مدنی میاں اور وارثِ علوم اعلیٰ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں کی فقہی تحقیق کا پسِ منظر

حضور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی مشہورِ زمانہ تحقیق بعنوان "**ویڈیو، ٹیوی کا شرعی استعمال**" جس میں آپ نے اپنے تجرِ

علمی وفقہی بصیرت کے ذریعہ تحقیقات کے وہ نقوش چھوڑے، جن کی پذیرائی پوری دنیا
میں ہوئی۔ اس میں آپ نے ثابت کیا کہ ''ویڈیو ٹی وی کا شرعی استعمال'' جائز ہے،
جس پر علمائے ہند وپاک نے مہر تصدیق ثبت کی۔ خاص کر غزالئی دوراں، مظہرِ
اعلحضرت علامہ سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ نے آپ کو ''**رئیس المحققین**'' کا
خطاب دلنواز عنایت فرمایا۔

جبکہ ویڈیو، ٹی وی کے شرعی استعمال کے عدمِ جواز پر قاضی القضاۃ فی الہند،
حضرت علامہ مفتی اختر رضا صاحب ازہری علیہ الرحمہ نے بھی اپنی تحقیق پیش کی۔ اور
علما وصاحبان افتا کی ایک جماعت نے ان کی بھی تائید کی۔

تاہم بعض ادارے کے بعض مفتیانِ کرام نے حضرت شیخ الاسلام کے جواز
والی تحقیق پر اپنی سابق مہرِ تصدیق سے رجوع کر لیا، قطع نظر اس سے، کہ دونوں مفتیوں
میں سے کون مصیب اور کون غیر مصیب ہیں۔

البتہ، ماجور تو دونوں ہوئے۔ تحقیق میں کوئی سچا اور جھوٹا والا معاملہ نہیں
ہوتا؛ بلکہ بموجبِ حدیث اگر محقق صحیح اور درست بات تک رسائی حاصل کر لے تو ''**فلہ
اجران** ''اور اگر اس میں اس سے خطا بھی ہو جائے، تب بھی اس مخطی کو گناہ وعقاب
نہیں؛ بلکہ '' **فلہ اجر** '' کا وعدہ اور اعزاز بخشا گیا ہے۔ اسی طرح جب دل میں خوف
خدا ہو، معاملہ نیک نیتی پر مبنی ہو، اختلاف کا سبب امر اجتہادی ہو اور اختلاف کرنے
والے ماہرین شریعت ہوں، تو ان سے صادر شدہ اختلاف کو رحمت کہا جائے گا۔ ہاں
اگر شرائطِ مذکورہ کا فقدان ہو، تو پھر یہی اختلاف، افتراق وانتشار کا زینہ بن جاتا ہے۔

بہر حال! مقامِ تاسف واستعجاب تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بعد چند عرصہ ہی
گزرا تھا کہ جماعت اہلسنت کے دو عظیم ستون، **کچھوچھہ مقدسہ** اور **بریلی شریف** کے
درمیان کتابی اور تحریری جنگ شروع ہوگئی، چنانچہ اس خالص علمی اختلاف نے کچھوچھہ
مقدسہ اور بریلی شریف سے باہر نکل کر حلقۂ ارادت سے وابستہ تمام برصغیر کو اپنے

احاطہ میں لے لیا۔ اور پھر جس مشربی تعصب، مذہبی اختلاف اور ان کی وجہ سے بغض
وحسد کے جو جذبات عوام وچند علمائے سوء کی جانب سے ابھرے، ان کا کتاب وسنت
سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اور یہ سارا کھیل مشربی تعصب کے علمبرداروں
کا تھا، جنہوں نے اِس اختلاف کو رحمت بننے نہ دیا اور بات تجہیل وتفسیق تضلیل
وتحقیر اور ذاتی کردار کشی تک پہونچ گئی۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ جب اختلاف، انتشار
کا روپ اپنا لیتا ہے، تو جانبین مین ہر قسم کی دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی صورت
حال بدقسمتی سے ان دونوں مرکز کے درمیان ہوئی، کہ جو پہلے کاندھے سے
کاندھا ملا کر احقاق حق اور ابطال باطل کا کار عظیم انجام دیتے تھے۔ وہ ایک دوسرے
سے اتنے دور ہو گئے کہ ان کا قریب ہونا جماعت کے لئے بڑا چیلینج بن گیا۔

ماضی قریب میں ایسے اختلاف کی نظیریں بھی آپ کو ملیں گی جن سے تعمیر
نہیں، بلکہ تخریب کاری کا کام زیادہ ہوا ہے؛ پھر چاہے چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کی
بابت اختلاف ہو یا لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی بابت۔ یوں ہی چین کی گھڑی، کتابت
نسواں۔ یا ان جیسے بہت سارے جدید تحقیقات پر مشتمل اختلافات؛ سب کے مثبت
سے زیادہ منفی اثرات اہلسنت والجماعت پر پڑے ہیں۔ اِن اختلافات کی بنیادی
وجہ تعصب، تنگ نظری یا کسی مفتی کی رائے کی تصویب میں بدترین جانب داری ہے،
جس نے امت مسلمہ کے شیرازے کو انتشار کے محاذ پر لا کھڑا کر دیا۔

فرعی مسائل میں اختلافات کے تعلق سے مولا یٰسین اختر مصباحی صاحب
نے ایک بڑی عمدہ تحریر، مشائخ مارہرہ مطہرہ وعلمائے بریلی وبدایوں شریف وغیرہم کے
مابین پیش کی ہے، جسے میں قارئین کے لئے نفع بخش سمجھتے ہوئے پیش کر رہا ہوں۔

''**فرعی مسائل میں اختلاف** کے سلسلے میں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ
مطہرہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن، عرف شاہ جی
میاں، قادری، برکاتی، مارہروی (وصال ۱۳۴۷ھ۔ ۱۹۲۸ء) اپنے ایک مکتوب، بنام

حضرت مولانا عبدالقدیر عثمانی بدایونی (۱۳۷۹ھ۔۱۹۶۰ء) کے اندر اپنے استاذ جلیل، تاج الفحول، محبِّ رسول، حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

☆حضرت سید شاہ ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن قادری برکاتی کا فکر انگیز خط

''**یہ خلاف، اپنی اپنی سمجھ کے موافق، ایک دینی فرعی مسئلہ میں ہے۔**خدا نخواستہ، کسی طرح رشتہ محبت اور مراسم قدیم میں اپنی جانب سے کوئی کمی، واقع نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔آپ صاحبان کو اختیار ہے۔**مسائلِ فرعیہ میں، میرے اکابر سے اور آپ کے بزرگوں سے بھی بعض بعض میں اختلاف رہا ہے۔مثلاً: لعنِ یزید۔**

میرے بزرگ، مجوز تھے۔اور حضرت استاذی (تاج الفحول، بدایونی) قدس سرہ منع، فرماتے تھے۔

کفرِ ابی طالب میں، میرے بزرگ، ساکت، مثل شیخ (عبدالحق) محدث دہلوی تھے اور حضرت استاذی (تاج الفحول، بدایونی) قدس سرہ، کافر جانتے تھے۔

عینیتِ ذات وصفات باری تعالیٰ وتقدس میں بھی، کچھ لفظی اختلاف تھا۔

اور **بعض مسائل فرعیہ**، اور بھی ہیں، جن کی تفصیل، تطویل ہے۔'' الخ۔

فقیر اسمٰعیل حسن قادری آل احمدی برکاتی۔**از خانقاہ برکاتیہ مارہرہ۔۱۲/صفر ۱۳۳۴ھ۔دوشنبہ۔** (مفارضات طیبہ، ص۱۲۔۱۳۔مرتبہ، تاج العلماء، سید شاہ اولاد رسول محمد قادری برکاتی مارہروی۔ دارالاشاعت برکاتی، خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ ماخوذ از فرعی اختلاف کی نوعیت و حثیت، از: مولانا یٰسین اختر مصباحی۔دارالقلم۔ص:۲)

اسی طرح مسئلہ اذانِ ثانی پر مولانا موصوف مزید نقل فرماتے ہیں:

مسئلہ اذان ثانی کے موضوع پر، حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۴۷ھ۔ ۱۹۲۸ء) اپنی ایک طویل مکتوب (محررہ ۲۴/ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ) بنام سردار نواز جنگ بہادر، نواب سید سردار علی (ریاستِ

حیدر آباد، دکن) میں اِس طرح تنبیہ وہدایت فرماتے ہیں:

''......**مگر، اِس وقت آپ کی تحریر سے، البتہ، رنج ہوا کہ:**

آپ نے بلا سمجھے، اور بلا عمیق نظر ڈالے، ایک رائے خلاف قائم کرلی۔یہ تو آپ خوب جانتے ہیں کہ:

جو نسبت آپ کو، مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ سے دو پشت سے ہے، وہی نسبت، جناب مولانا عبدالمقتدر رحمۃ اللہ علیہ کو (سید) محمد میاں، سلمہ سے پانچ پشت سے ہے۔اور ان شاء اللہ، ہے گی۔آپ نے، جو مسائلِ فقہیہ فرعیہ میں، جو اختلاف ہوتا ہے اوس سے، کوئی ذاتی مخالفت اور پرانے تعلقات کو، سوہانِ روح ہونا، کیسے مان لیا؟

اگر، آپ کا یہ مستخرجہ نتیجہ، مان لیا جائے تو، صحابہ کرام سے لیکر آج تک، کوئی آپس میں ایک دوسرے کو سوہانِ روح پہنچانے اور ذاتی مخالفت ہونے سے نہیں بچتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تلامذہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے، **سیکڑوں مسائل فرعیہ میں، اختلافِ رائے ہے۔**

کیا، وہ حضرات آپس میں، خدانخواستہ، ایک دوسرے کے ذاتی مخالف اور عدُو تھے؟ اور سب سے بڑھکر یہ دیکھیئے کہ: میرے اور آپ کے آقائے معظم، دستگیر اعظم، حضرت غوث الثقلین، رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، ہزاروں، حضور کے غلام جانثار، اور مَیں، اور مولانا صاحب، اور ہمارے اجداد قُدست اسرارھما ''**مسائلِ فقہیہ میں، دوسرے مذہب کے پابند اور مقلد ہیں۔ہمارے حضور، رضی اللہ عنہ، حنبلی تھے۔ اور ہم سب، حضور کے جانثار خدام، حنفی ہیں۔تو، کیا آپ کو ذاتی مخالفت ہے؟ اور حضرت کو سوہانِ روح، پہنچاتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔**

......''اگر، یہی مخالفت، ذاتی مخالفت ہے

تو، اول، سیف اللہ المسلول، حضرت مولانا فضل رسول بدایونی صاحب

،قدس سرہ اور، تاج الفحول مولانا مولوی عبدالقادر بدایونی قدس سرہ
باپ، بیٹوں، استاذ، شاگرد، پیر، مرید میں بدرجۂ اَولیٰ ہے۔

حضرت مولانا مولوی فضل رسول صاحب قدس سرہ یزید پلید پر لعنت کرتے تھے اور ہمارے حضرت استاذی (تاج الفحول، بدایونی) ساکتین میں تھے۔ لعن، نہیں کرتے تھے۔ **حالاں کہ، حضرت استاذی (تاج الفحول، بدایونی) قدس سرہ نے بارہا، مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: حضرت والد ماجد (سیف اللہ المسلول، بدایونی) مجھ کو اِس مسئلہ کے بارے میں اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ مگر، میرے ذہن میں، نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ، حضرت کو، تیزی آجاتی تھی۔ اس سے بڑھکر، اور یہ ہے کہ:**

میرے حضرات، قدست اسرارھم بھی مجوزینِ لعن (یزید) تھے۔ تو، اگر یہ ذاتی مخالفت تھی تو، حضرت استاذی قدس سرہ، ہرگز، گوارا، نہ فرماتے۔ کفرابی طالب میں، مولوی احمد رضا خاں صاحب، بریلوی کا ایک رسالہ ہے۔ اور اس میں کفر، ثابت کیا ہے۔

حضرت استاذی (تاج الفحول، بدایونی) نے اوس کی تصدیق، فرمائی ہے۔ میرے بزرگ، قدست اسرارھم، اس مسئلہ میں، ساکت تھے۔ جیسے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ساکت ہیں۔

اگر، یہ ذاتی مخالفت ہے تو، میرے سب بزرگوں سے ذاتی مخالفت، قائم ہوتی ہے۔ جو، کسی طرح سے، قابلِ قبول نہیں ہے۔ اِس مسئلہ کفرِ ابی طالب کا، میں اول اول رسالہ دیکھا۔ میں، اتفاق سے اوس وقت، بدایوں تھا۔ میں، وہ رسالہ لئے ہوئے استاذی **(حضرت تاج الفحول، بدایونی) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ: آپ نے بھی، اِس کی تصدیق فرمائی ہے؟**

فرمایا کہ: میری رائے میں، راجح قول یہی ہے۔ اگر چہ، اہل بیت، ایمان کی طرف گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ: جب، اہل بیت، ایسا فرما گئے ہیں تو، پھر، یہ

راجح کیوں ہے؟ فرمایا کہ: اہلِ بیت سے مراد، سادات زیدیہ ہیں۔'' (۱) الی آخرہ۔ (مفاوضات طیبہ، ص ۱۷، ۱۸۔ مرتبہ، تاج العلماء مارہروی، دارالاشاعت برکاتی۔ خانقاہ برکاتیہ۔ مارہرہ مطہرہ)...... **(۱) جو، فرقۂ روافض ہے۔ محمد میاں)**

مندرجہ بالا دونوں مکتوب گرامی میں آپ نے بخوبی اندازا لگالیا ہوگا کہ حضرت سید شاہ **ابوالقاسم اسمٰعیل حسن**، قادری مارہروی **قدس سرہ** نے اختلاف کے اخلاقیات اور اس کو نبھانے کی کتنی خوبصورت نظیر پیش کی ہے اور یقیناً یہ کام اسی کا ہوسکتا ہے، جس نے خانقاہ اور درسگاہ کی مشترکہ تربیت گاہ سے علوم وعرفاں کا جام پیا ہو۔

پچھلے ۷۰/۸۰ سالوں کی تاریخ میں حضرت مخدوم الملت، ابوالمحامد، سید **محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ (حضور محدث اعظم ہند)** قدس سرہ کا مدبرانہ کردار اور مصلحانہ طرزِ عمل ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ چاہے، **مسئلہ خلافت** پر بریلی اور فرنگی محل کا فکری اختلاف ہو یا قیامِ پاکستان کی قیادت کو لیکر شیر بیشۂ اہلسنت کا الگ موقف ہو۔

اسی طرح مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہ اور حضور مفتئ اعظم پاکستان مفتی سید افضل حسین منگیری قدس سرہ کا اختلاف ہو، یا پھر اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے خانوادہ کی جانشینی کا مسئلہ ہو۔

اِن تمام موقعوں پر **سرکار محدث اعظم ہند**، قدس سرہ نے اپنی حکیمانہ تدبیروں اور ناصحانہ تقریروں کے ذریعہ ایسا کردار پیش کیا کہ اختلاف وانتشار کا شعلہ جوالہ بننے سے پہلے سرد ہوکر اتحاد ومحبت کی مثال بن گیا۔

ماضی قریب میں چند ایک نظیریں ملتی ہیں ان غیور اور دردمند علمائے اہلسنت کی، جنہوں نے مسلک ومشرب کے اختلاف کو سرد کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ مگر، مادیت اور ہٹ دھرمی کے اِس دور خزاں میں اتحاد ومحبت کی بہار یہ حضرات نہ لاسکے اور ایک عضوِ معطل بن کر رہ گئے۔

مولانا موصوف نے حضرت علامہ سید نجیب حیدر میاں، قادری، برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ نوریہ مارہرہ مطہرہ کی ملت کے درد میں ڈوبی ایک تحریر نقل فرمائی ہے؛ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆ حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں قادری برکاتی کا ملت کے درد میں ڈوبا ہوا مکتوب

''یہ ہمارا، بڑا المیہ ہے کہ: ہم، سوادِ اعظم ہو کر بھی فکری اور نظریاتی طور پر، کہیں کہیں، بہت جدا، نظر آتے ہیں۔ مسلک ایک، مشرب ایک، عقیدہ ایک، مرکزِ عقیدت ایک۔ لیکن، پھر بھی اتنی دوریاں؟

نفس کا ایسا غلبہ، کہ ایک لمحہ بھی، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے جو تحریری اور تقریری جنگیں، ہماری صفوں میں جاری ہیں وہ ،اِس جماعت کے فروغ کے لئے ،کہیں بھی صحت مند علامتیں، نہیں ہیں۔ افسوس کہ، اِن تمام اختلافات کی وجوہات بھی ایسی ہیں جو، ہمیشہ مذہب میں صحت مند، تصور کی گئی ہیں۔ **اور وہ بھی فقہی وفروعی معاملات واختلافات، جو ہمیشہ سے ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے۔**

تحقیقات، جاری رہیں گی تو نئی چیزیں، ضرور نکل کر آئیں گی۔ مسائل شرعیہ میں، صحت منداختلافات، مذہب اور مسلک کو تشفی پہنچانے کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ، اس کے ماننے والوں کے دلوں میں دوریاں بڑھانے کے لئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مجتہدین اور اکابر فقہا میں، بہت سے مسائل میں، اختلافات تھے۔ یہاں تک کہ استاذ اور شاگرد بھی، ایک ہی مسئلہ میں الگ لگ موقف رکھا کرتے تھے۔ لیکن، کہیں بھی، ایسی نظیر، نہیں ملتی کہ: خدانخواستہ ہمارے اکابر نے ،ایک دوسرے کی اہانت کی ہو، یا شرعی حکم، کی نوبت آئی ہو۔

حضرات مشائخ مارہرہ سے ،حضرت تاج الفحول، بدایونی اور اعلیٰ حضرت،

بریلوی قدس سرہما کی عقیدت مندانہ اور نیاز مندانہ وابستگی سے، سبھی واقف ہیں۔

اِن حضرات کا موقف، لعنِ یزید اور ایمانِ ابوطالب کے حوالے سے، جدا تھا۔ تو، کیا، معاذ اللہ! یہ حضرات، اپنے پیرخانے کے مشائخ کے ''باغی'' تھے؟ یا انہوں نے اس بات کو بانگِ دہل ظاہر کرتے ہوئے اپنے مشائخ کرام پر، انگشت نمائی کی؟ کبھی نہیں، ہرگز نہیں۔

ایسے ہی، میرے مرشد، **حضرت مفتیِ اعظم ہند** کا موقف مسلم لیگ کے حوالے سے، مجدد برکاتیت، اور ان کے اخلاف کے موافق، نہ تھا۔ تو، کیا، مفتیِ اعظم، ان کے چہیتے، اور وہ، مفتیِ اعظم کے مرکزِ عقیدت نہ رہے؟

علمائے بدایوں کا بعض فروعی مسائل میں موقف اپنے پیر زادوں سے جداگانہ تھا۔ لیکن، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ: صاحب زادگان کی کوئی دل شکنی، اس جانب سے ہوئی ہو۔ بلکہ، ہمیشہ نیاز مندی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

ہم پر، اکابر کی پیروی لازم ہے کہ: ان کے نقش قدم پر چل کر، ایک دفعہ، جماعت سازی کا کام کریں۔

الحمد اللہ! تمام خانقاہیں، اور پیرانِ عظام، اپنا ایک وسیع حلقۂ ارادت رکھتے ہیں۔ کسی کو کسی سے، کوئی دنیاوی حاجت، درکار نہیں ہے۔ پھر، کون سی چیز ہے، جو اضطراب کا باعث ہے؟

آج، پوری ملت اسلامیہ اور جماعت اہلسنت ،جن مسائل سے دوچار ہے وہ ،کوئی مخفی امر نہیں۔ ہم سب، اپنے اپنے حلقۂ ارادت کے افراد کی ذہن سازی کریں۔ ان میں، مثبت سوچ پیدا کریں۔ ان کو، دوسرے علماء اور مشائخ کی تعظیم و توقیر کی رغبت دلائیں۔ اس سے مشائخ بھی، ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، اور متوسلین بھی۔ اور اس کا، مثبت اثر یہ ہوگا کہ: سوادِ اعظم متحد ہوگا۔ ہماری آواز، مضبوط ہوگی۔ حکومت کے ایوانوں میں، ہمارا وزن بڑھے گا۔ اور جب بھی، ملت کے مسائل

پر کوئی بات کی جائے گی ،تو ہماری حصہ داری اور ہمارے موقف کو ،کلیدی حیثیت
،حاصل ہوگی۔

خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، تمام عُلمائے کرام اور مشائخ عظام سے، یہ اپیل
کرتی ہے کہ: ہم سب، سر جوڑ کر، بیٹھ جائیں اور جو بھی فروعی، ہلکے پھلکے اختلافات
، یا۔ نظریاتی الجھنیں ہیں ان کو، رفع کریں۔ ہم، اِس کام میں، پہل کرنے کو، کل بھی
تیار تھے اور آج بھی۔ اللہ تعالیٰ، اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے طفیل ہم سب کو،
اس بحران سے، خود کو، نکالنے کی توفیق، عطا فرمائے۔ آمین۔ (ملاحظہ ہو: ص ۱۸ تا ۲۰۔ از:
سید نجیب حیدر میاں نوری۔ سالنامہ ’’اہلسنت کی آواز‘‘ ج ۲۱۔ ۱۴۳۶ھ/نومبر ۲۰۱۴۔ ماخوذ از رسالہ ’’
فرعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت‘‘ ص: ۴ تا ۸۔ از: مولانا یٰسین اختر مصباحی، دار القلم دہلی)

**خلاصۂ کلام یہ کہ یہ اختلاف رائے واجتہاد ہمار سلف صالحین کے مابین کوئی
انوکھا اور اجنبی معاملہ نہ تھا۔ اس کا سبب، فہمِ نصوص میں اختلاف کے ساتھ، بسا اوقت
علمِ نصوص میں کمی وبیشی بھی تھا؛ مگر جب اُن حضرات نے غلط فہمی سے صحیح فہمی کی طرف
سفر کیا یا علم کی وسعت کے زینے پر چڑھے، تو اپنی رائے کو بے دھڑک بدل ڈالا۔ تو
اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ اپنی بات کا ضعف واضح ہوجانے
کے بعد کھلے عام اعتراف کرلیں؟ اگر جواب ’’ہاں‘‘ میں ہے، تو آگے بڑھیئے۔ ابھی
تک ہم اس سے متفق اور اس پر عمل پیرا ہیں اور سب کو شیر وشکر کی دعوت دیتے
ہیں۔ برائے مہربانی شریعت وسنیت کے لیے ساتھ ہوجائیں۔**

ذرا غور فرمایئے کہ کس طرح اسلاف نے ہمارے لیے فقہی اختلاف کا ایسا
اخلاقی ذخیرہ چھوڑا کہ یقیناً اگر ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر، نفس وہوا کی
پیروی سے کنارہ کش ہوکر نیز شخصیت پرستی کے مکڑ جال سے آزاد ہوکر محض، **نفس
اختلاف کی حقیقت اور اسکی جامعیت** پر غور کریں، تو ہمیں پتہ چلے گا کہ اختلاف کا
انتشار وتعصب سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے!۔

فقیر راقم الحروف اگر اپنے خانوادہ غوثیہ، جیلانیہ، اشرفیہ کے علما ومشائخ کا
اپنے مریدین علما ومشائخ سے، اختلافِ رائے کی جزئیات وتاریخ پر غور کرتا ہے، تو کئی
نظیریں ایسی ملتی ہیں، جہاں ساداتِ جیلانیہ، اشرفیہ کے علما و مشائخ نے خود اپنے
مریدوں سے اور مریدین نے اپنے **مشائخ کچھوچھہ مقدسہ** سے، اختلاف کیا ہے؛
مگر اللہ گواہ ہے۔ نہ کبھی مریدین وخلفا نے حدِ ادب عبور کیا، اور نہ ہی ان مشائخ
خانوادہ اشرفیہ نے اپنی شفقتوں سے اُنہیں محروم کیا۔ بلکہ، ایک دوسرے کی رعایت،
پاس ولحاظ اور ادب واحترام، حسبِ مراتب رہا۔ مثلاً:

تاجدار اہلسنت، ہم شبیہ غوث اعظم، سیدنا شاہ ابو احمد علی حسین الاشرفی
الجیلانی قدس سرہ، **محفلِ سماع، مع مزامیر** کے قائل تھے اور خانقاہ شریف میں اس کا
خاص اہتمام فرماتے تھے۔ حالانکہ آپ کے بعض خلفا ومریدین، **سماع مع مزامیر** کے
حرام ہونے کے قائل تھے۔ مگر اس اختلافِ رائے کے باوجود، عدمِ جواز کے قائلین
علما، خلفا ومریدین نے کبھی اپنے تعلقات ومراسم نیز ادب واحترام میں کسی قسم کی کمی نہ
آنے دی۔ بلکہ عرسِ مخدومی میں ہمیشہ شرکت فرماتے رہے؛ پھر چاہے وہ، آپ کے
مرید وخلیفہ، حضور صدر الافاضل، **سید نعیم الدین مرادابادی** علیہ الرحمہ ہوں یا آپ کے
مریدِ صادق، حکیم الامت، **حضرت مفتی احمد یار خاں** اشرفی نعیمی علیہ الرحمہ ہوں۔

یہی حال آپ کے دیگر مریدین وخلفا۔ مثلاً: حضور حافظ ملت، **علامہ
عبد العزیز اشرفی محدث** مرادابادی اور حضور صدر العلماء، **علامہ سید غلام جیلانی اشرفی
محدث میرٹھی** نور اللہ مرقدہم، کا بھی تھا۔

اِن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جس وسعتِ فکر، عمیق نظر، سلامت روی،
اخلاصِ نیت اور قوتِ نطق وبیان سے نوازا تھا، اس کے زیر اثر انہوں نے ہمارے لیے
اجتہاد واختلاف کا ایسا منہج تیار کردیا کہ: اگر، ہم اس کو اپنا کر نظر وفکر کے ساتھ علمی طبع
آزمائی کریں تو معیوب نہیں، بلکہ محمود ہوگا۔

اسی لیے تو تاریخ گواہ ہے کہ اِن مذکورہ حضرات نے اگر کسی مسئلہ میں اپنے پیر سے اختلاف بھی فرمایا، تو خود کو اور اپنے متبعین کو بھی انتشار وافتراق سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ اور تادمِ حیات، مرشد کی بارگاہ میں زانوئے ادب طے کرتے رہے۔

جب کہ دوسری طرف مقامِ تاسف ہے آج کا ہمارا ماحول وزمانہ! کیونکہ آج صورتِ حال اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ ایک مفتی کا فتویٰ دوسرے مفتی کے فتویٰ سے الگ یا برعکس ہو جائے تو طوفانِ بدتمیزی شروع ہو جاتا ہے، شاگرد استاذ کی تحقیق سے ہٹ کر کوئی بات کیا کہہ دے کہ گستاخِ استاذ بن جاتا ہے، مرید پیر کی تحقیق کے سامنے اپنی رائے کیا پیش کردے کہ (الا ماشاء اللہ) اکثر اُس مرید کو ''گستاخ'' کا سرٹیفکٹ دے دیا جاتا ہے۔ خاص کر، اگر پیر اپنے دائرہ کا عالمِ مُطاع ہو اور اس کی رائے سے ہٹ کر کسی مرید یا معتقد نے اپنی رائے علمی شہادتوں کے ساتھ پیش کردی، تو بھی بعض دفعہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اُسے اہلسنت وجماعت سے الگ تھلگ کردیا گیا ہے اور ترکش سے کفر ونفاق کا تیر اس پر چلا دیا گیا ہے!!!۔ اللہ رحم فرمائے اس امت پر۔

مسلک ومشرب کا دم بھرنے والے ضمیر فروشوں نے اپنے اسلاف کی روِش کو دیکھا ہوتا، یا۔ گہرائی سے بنیتِ اخلاص ان کے طرزِ اختلاف وطرزِ عمل کا مطالعہ کیا ہوتا، تو یقیناً وہ، ایسی بدترین جانب داری اور تعصب کا شکار نہ ہوتے۔

☆☆☆☆

آدابِ اختلاف کی اہمیت

اختلافِ امت رحمت ہے اور رحمت مقتضی ہے اوصاف حمیدہ کی۔ اس لیے اختلاف کے درست نتائج تک پہونچنے کے لیے ہمیں اختلاف کے آداب سے واقف وشناسا ہونا ضروری ہے، مگر ایسا عموماً ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے کہ ہم لوگ اختلاف کے اخلاقیات سے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور انتہائی عمدہ لب ولہجہ میں جلسوں محفلوں میں خطاب بھی کرتے ہیں، اور ہماری یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ الفاظ وبیان کی حد تک ہم اچھے اور مناسب نظریات وخیالات پیش کریں۔ لیکن، ہم میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، جو نظریات وخیالات کو برمحل پیش کر کے علمی معاملات میں قوت وفکر کی، درست تعمیر کرسکیں اور سامعین کا ذہن سنجیدہ بناسکیں۔ یا ان کا صحیح استعمال کر کے مناسب موقع پر تطبیق ہی دے سکیں۔ جب کہ اِدھر، معاملہ تو یہ ہے کہ ہم میں سے چند تو ایسے ہیں، جو علمی معاملات وفقہی مسائل میں خیالات ونظریات پیش کردیتے ہیں مگر موقع آنے پر ان کو مناسب تطبیق نہیں دے پاتے، جس کی وجہ سے عوام وسامعین عمل واتباع کے سلسلے میں ذہنی خلجان میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ہمارے الفاظ وبیان کے غلط مطالب سامنے آجاتے ہیں؛ جو اختلاف کی صورت میں منفی اثر لے آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے اندر یہ بھی نقص ہے کہ ہم دوسروں سے تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر وہ ہم سے اختلاف کرے، تو اختلاف کے اخلاقیات کو بخوبی بروئے کار لائے اور ان کا التزام واہتمام کرے۔ لیکن خود اپنی ذات کے حق میں دوسروں سے اختلاف کرنے اور رکھنے کے موقع پر، ہم اس کے لئے تیار نہیں۔ یہ سب ہماری وہ بنیادی غلطیاں ہیں، جن میں اصلاح لانے کی بلا تاخیر ضرورت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم جب عوام کے سامنے آئیں تو موقع محل کے اعتبار سے اپنی بات پیش

کریں اور موضوع کے دائرے میں رہ کر اپنی رائے کو بالدلیل رکھیں۔ساتھ ہی ساتھ ہم اپنے مدارس و تعلیمی اداروں میں نیز مساجد اور خانقاہوں میں، **اختلاف کے آداب واخلاقیات** کے درس وتدریس کا خاص اہتمام و نظم کریں اور اپنی نوجوان نسل کو عملی تربیت وتمرین پر محنت کرائیں؛ تا کہ یہ چیزیں بیک وقت ہماری عادت اور عبادت دونوں بن جائیں۔

عبادت، بایں معنی کہ اس میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور خوشنودی ہے اور اللہ کے مخلص و نیک بندوں کی اتباع بھی۔اور **عادت**، بایں معنی کہ جب انسان کی تربیت ہی اس بہترین ادب پر ہوگی اور اس پر اس کو عملی مشق کرائی جائے گی، تو بلاشبہ یہ، اس کی فطرت وطبیعت بن کر اس کی شخصیت کو بھی نکھار دے گی۔

باہمی مقبول گفتگو کے بہت سے موضوع اور اس کے آداب ہوتے ہیں؛ بالخصوص اختلافی موضوع کے تو، اور بھی بہت سے آداب ہیں، جو اتنے ضروری ہیں کہ انسانی معاشرہ کا ہر طبقہ ان آداب کو اپنے باہمی گفتگو میں لانے کا محتاج ہے۔پھر چاہے وہ، حاکم ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اگر وہ اس صفت سے متصف ہوگا تو نتیجتاً رعایا کے حقوق کی حفاظت کر سکے گا، حتیٰ کہ ان لوگوں کے حقوق کی بھی جو اس سے اختلاف کرتے اور رکھتے ہیں۔اِسی میں حاکم کی حکمت اور ملک کی جمہوریت، دونوں کی بقاء ہے۔

اِن سب محاسنِ ادب کا مصدر و مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار ہیں، جن کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے حقوق کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں، جو آپ کے مخالفین، یہود و منافقین تھے اُن کے حقوق کی بھی حفاظت فرمائی!!!

رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کیسا تھا؟ تو یہ تو روشن وعیاں ہے کہ اُن کے ساتھ آپ ﷺ کے عفو و درگزر،

محبت وصلہ رحمی، عدل وانصاف اور طالبِ حق تک حق کی ادائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کی بین دلیل ہیں۔

آپ ﷺ کے اِسی طرزِ عمل اور کردارِ حسَن کی اتباع کرتے ہوئے آپ کے صحابہ کرام نے بھی اخلاقیات کے باب میں کئی مثالیں قائم کیں ہیں۔جیسے:

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے خلاف، جب **''خوارج''** نے خروج کیا اور بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، جن سے آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد فرمایا اور انتہائی شدت سے ان کا مقابلہ بھی کیا؛ جس کی وجہ سے خلافتِ اسلامیہ کو نقصان بھی پہونچا۔پھر بھی جب ان خوارج کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''**اخوانـنـا بـغـوا علينا**''، (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۷۶۳۔بیہقی سنن کبریٰ ۸/۱۷۳)

ترجمہ: وہ ہمارے ہی بھائی ہیں، جو ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورتِ حال میں بھی ان گمراہ خوارج کو کفر وارتداد وغیرہ سے متصف وموسوم نہیں کیا اور اُس وقت تک اُن کے حقوق کی حفاظت فرمائی، جب تک انہوں نے یہ روش نہیں اپنائی کہ ہتھیار اٹھائیں اور استعمال کریں، راستوں کو پُر خوف اور پُر خطر بنائیں یا کسی کے ناحق خون کو حلال سمجھیں۔

یوں ہی جب ہم اپنے اسلاف کی سوانح کا مطالعہ کرتے ہیں، تو انہیں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ مسندِ تدریس کو بھی زینت بخشتے، تو اِن آدابِ اختلاف کی مکمل طور پر پابندی کرتے؛ تا کہ طلبہ کے حقوق کی حفاظت کر سکیں، ان کے ساتھ اور ان کے حق میں انصاف کر سکیں۔خصوصاً جب وہ، اپنے سوالات، اشکالات اور اعتراضات وغیرہ کی بابت منکشف جواب چاہتے، تو اُنہیں کافی وشافی جواب سے نوازتے اور اُن کے حق میں حسنِ ظن سے کام لے کر مکمل انشراحِ صدر کے ساتھ ان کی حوصلہ افضائی کرتے۔تا کہ وہ، میدانِ تحقیق میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہیں۔

ان آدابِ اختلاف کی ایک باپ کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔تا کہ وہ، اولاد کا

ہمیشہ محبوب ہو۔اور اگر اولاد کسی معاملہ میں اختلاف کرلے،تو ان کا مرجع ہونے کی حیثیت سے انہیں معذور جانے اور یہ محسوس کرے کہ یہ بچے آج ہمارے چھوٹے ہیں، تو کل دوسروں کے بڑے ہوں گے، آج میرے سامنے جو پیش ہوا ،کل اس کے سامنے بھی پیش ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ لڑکا لڑکی اپنے والدین کا مکمل عکس ہو، بلکہ رنگ،صورت، آواز کے ساتھ ذہن ومزاج کا تو اختلاف پایا ہی جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معاشرہ کے اصلاح وتعمیر اوراس میں پیش آمدہ جدید مسائل تک صحیح معرفت، آدابِ اختلاف کو اپنا کر ہی ممکن ہے اوراس کی ہمیں زندگی کے ہر موڑ پرضرورت ہے۔اس لیے اختلاف اورآدابِ اختلاف دونوں معاً لابدی امر ہیں۔

چونکہ آئندہ صفحات میں ہم،ان شاء اللہ طریقۂ اختلاف اوراس کے آداب پر مزید گفتگو کریں گے۔اس لیے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارے باہمی اختلافات کے چند اصول وضوابط اوراس کا طریقۂ کار کیا ہو،اس پر روشنی ڈالی جائے۔

☆☆☆☆☆

باھمی گفتگو ومذاکراہ کاجدید چھرہ

باہمی مذاکرہ وگفتگواختلافات کے حل کاایک بہترین ذریعہ ہے۔

آج جس دورِ پرفتن میں ہم سانس لے رہے ہیں،اس میں بدقسمتی سے مذاکرہ کم اور مکابرہ ومجادلہ ہی زیادہ ہے؛جس میں جھگڑے اور عداوت تک بات جا پہونچتی ہے۔

آج ہم ٹی وی اور انٹرنیٹ کے عہد میں ہیں اوراس میں دیکھا یہ جارہا ہے کہ ہرکس وناکس کے ہاتھ میں موبائل ہے،جس میں انٹرنیٹ اوراس میں موجود سوشل میڈیا کا ایک کھلا میدان آباد ہے، جہاں ہر کسی کو اپنے تفکرات ونظریات، بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑانے کا حق حاصل ہے۔

ماضی قریب میں اگر،’’**فیس بک وواٹس ایپ**‘‘ کے استعمال پرغور کیا جائے تو،(**الا ماشاء اللہ**) سوائے چند حضرات کے،عوام تو عوام،خواص بھی اپنی بے باک رائے پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے؛جو بعد میں باعثِ خلجان ہوتا ہے اورنفرت و کدورت کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔چنانچہ اسی تخریب اور خسارۂ امت کی ترجمانی کرتے ہوئے،کئی اسلامی اسکالرس اوردانشوروں نے اختلاف کے موقع پر باہم گفتگو پرکام کرنے والے بہت سے اداروں کی انٹرنیٹ رپورٹ پراپنے خیالات کا اظہار کیا ہے،جس کالب لباب یہ ہے کہ:

’’اس گفتگو کوفعال اورمئوثر بنا کر پیش کرنے میں بڑا خلل اورنقصان پایا جاتا ہے۔چنانچہ ایسا کام کرنے والے بہت سے لوگ،مسلمانوں کے درمیان جو متفق علیہ نقاط ونکات ہیں،ان سے خود ناواقف ہیں‘‘۔یہ،انٹرنیٹ کے بے جا اور غیر ضروری استعمال پراُن کا انتہائی اظہارِ تشویش ہے۔مگر اِن اسکالرس اور دانشوروں کا یہ نظریہ

کافی پرانا ہے۔اگر وہ،آج کے انٹرنیٹ کا دور دیکھتے،تو اللہ ہی جانے......اس کی کس طرح ترجمانی کرتے!

ویسے مسلمانوں کے درمیان کئی متفق علیہ نقاط ونکات سے عدم واقفیت کی حقیقت کو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں، جب آپ اس طرزِ بیان اور طرزِ تنقید کا مشاہدہ کریں گے، جو بعض جدت پسند، نیم ملاؤں اور نام نہاد صوفی حضرات کی جانب سے نظر آتا ہے۔جو بعد میں نتیجتاً افتراق وانتشار میں بدل کر معاشرہ پر اپنا منفی اثر چھوڑ دیتا ہے،جس کی وجہ سے ایسا لگنے لگتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا اخلاقی نظام سخت لفظی حملے اور جارحانہ وتُند اندازِ گفتگو کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔اسی قبیل کے چند مخربِ اخلاق جملے اور تُند اندازِ گفتگو کی نظیر، نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔اور قارئین سے ہی فیصلہ کا طالب ہوں کہ کیا شریعتِ مطہرہ ان جیسے کلام واندازِ کلام کی اجازت دیتا ہے؟ خاص کر،شرعی مسائل کی تنقیح میں؟

(۱) اگر تم میرے ساتھ نہیں،تو میرے مخالف ہو:۔

یعنی بدقسمتی سے آج، ہر کسی کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ:اگر تم میرے ساتھ نہیں تو، میرے مخالف ہو۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف کسی بھی نوعیت کا ہو،اگر فریقین کی رائے الگ الگ ہے،تو وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔گویا آج اختلاف نے دوستی اور رواداری کے سارے دروازے بند کردیئے ہیں۔

(۲) موضوع اور شخصیت کے درمیان خلطِ مبحث:۔

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی موضوع، نظریہ، یا مسئلہ پر گفتگو کرنے کے بجائے بات کی رسائی شخصیات پر حملے تک ہوجاتی ہے اور پھر نوبت،طعن وتشنیع،الزام واتہام،تذلیل وتجہیل۔بلکہ حد تو یہ ہے کہ بسا اوقات تفسیق وتضلیل، یہاں تک کہ تکفیر تک بات پہنچ جاتی ہے۔اور پھر بازاری زبان کا استعمال!یوں ہی الزام تراشیاں

منظرِ عام پر آنے لگتی ہیں۔اب نتیجتاً شخصیت پرستی کے مکڑ جال میں پھنسا کر ایک گروہ تیار کرلیا جاتا ہے،جس میں صرف اور صرف اختلاف وانتشار نظر آنے لگتا ہے اور نفسِ مسئلہ خلطِ مبحث کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے۔

(۳) باہمی گفتگو کی زبان کا گنداپن:۔

یعنی افہام وتفہیم کا وہ طریقہ،جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنانے کا اس آیت میں حکم دیا:

’’**وجادلهم بالتي هي احسن**‘‘ یعنی ان سے اچھے انداز میں بحث کرو۔

یعنی اختلاف،تو گندے زبان کے استعمال سے سب وشتم وگالی گلوج میں بدل جاتا ہے۔

اسی بات کو امام غزالی نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ:’’اگر افہام وتفہیم میں غلبہ چیخ وپکار کی بنیاد پر ہوتا،تو جاہل دوسرے سے زیادہ غالب رہتے۔جب کہ غلبہ،کو دلیل وبراہین نیز تحمل واستقامت کی ضرورت ہوتی ہے‘‘۔

مشہور کہاوت ہے:خالی پٹارہ بھرے ہوئے پٹارہ سے زیادہ شور وآواز کرتا ہے۔

(۴) تحریر وتقریر کا سطحی انداز:۔

جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی محرر ومقرر اپنی تحریر وتقریر میں بازاری یا مخربِ اخلاق لب ولہجہ میں اپنی بات پیش کرے؛ کیوں کہ ایسا کرنے سے یہ تحریر یا تقریر اسے اختلاف کے اخلاقی منہج سے کوسوں دور کردیتا ہے اور اُس وقت اختلاف اور بھی انتشار میں بدل جاتا ہے، جب کہ لکھنے یا بولنے والا معاشرہ یا جماعت کا کوئی بڑا عالم یا معروف مفتی ہو۔

تاریخ گواہ ہے کہ ماضی قریب میں اہلِ سنت کے مابین جو اختلافات ہوئے ،وہ سب تحریر وتقریر کی قوت کے مظاہرے کا نتیجہ تھیں۔

(۵) انفرادیت:۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:’’**مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ**‘‘(سورہ غافر،۲۹)

ترجمہ: میں تو تمھیں وہی سمجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے اور میں تمھیں وہی بتاتا ہوں جو بھلائی کی راہ ہے۔ (کنزالایمان)

آج کل، چند اللہ والے مخلص بندوں کو چھوڑ کر، یہ بیماری بھی عام ہو چکی ہے کہ ہر ایک اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ بس میری رائے، میری تحقیق، میرا فتویٰ مقبول ہو اور کچھ نہیں۔ جب کہ حق وہی ہے، جیسا کہ **اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ** نے فرمایا کہ: ”عصمت صرف اور صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کو ہی حاصل ہے“۔

پھر بھی، یہ زعمِ باطل اکثر کو رہتا ہے کہ میرا کہا ہوا، حق وصداقت پر مبنی ہے۔ علمی اور فکری مذاکرہ کو باہم گفتگو کی نشست پر لانے سے روکنے والی یہ، آج کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

(۶) نااہل ہونا:۔

اس موقع پر مجھے عمرو بن معدیکرب کا ایک شعر یاد آتا ہے کہ:

اذا لم تستطع شیاً فدعه   وجاوزه الی ماتستطیع

یعنی جو کام تمہارے بس کا نہ ہو، اس کو چھوڑ کر دوسرا وہ کام کرو، جو تمہارے سکت اور وسعت میں ہو۔

آج مسندِ تدریس وارشاد پر (الحمد الله) جہاں متعدد علما اور خطبا، دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہیں بے شمار نااہل افراد نے بھی اس میدان میں اپنی اجارہ داری بنا رکھی ہے؛ جن میں اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ، نہ مسائلِ امت کا ادراک کر پاتے ہیں اور نہ ہی مصالحِ امت کا شعور۔ اسی لیے جب یہ حضرات اختلافی بات پر گفتگو کرتے ہیں، تو بے احتیاطی، غیر ذمہ داری اور نااہلی ان کے کردار و گفتار سے نظر آتی ہے، جن کی وجہ سے باہمی گفتگو کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ جبکہ مذاکراتی گفتگو میں، خواہ وہ، کسی بھی موضوع پر ہو۔ اگر، مان لیا جائے کہ ایک فریق کی بات

قطعی طور پر حق ہے اور دوسرے فریق کی بات قطعی طور پر غلط ہے، تب بھی حکمت کا تقاضا تو یہی ہے کہ دعوت کی بات اور مذاکراتی گفتگو، متفق علیہ دائرہ اور نقطہ سے شروع کی جائے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے **”دعوتِ مباہلہ“** کے ذریعہ اسے نبھا کر دکھایا اور حق تعالیٰ نے اس کی تعلیم دیتے ہوئے یہ فرمایا:

”قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ“ (ال عمران۔ آیت ۶۴)

ترجمہ: تم فرماؤ، اے کتابیو! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (کنزالایمان)

اللہ رب العزت ایک مقام پر **حکمت** اور **مخاطب** کی رعایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید ارشاد فرتا ہے کہ: **”قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ☆ قُل لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ** (سبا: آیت ۲۴۔۲۵)

ترجمہ: تم فرماؤ کون ہے جو تمھیں روزی دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے تم خود ہی فرماؤ اللہ۔ اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ☆ تم فرماؤ ہم نے تمھارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں، نہ تمھارے کوتکوں کا ہم سے سوال۔ (کنزالایمان)

اس ارشادِ باری تعالیٰ میں غور فرمایئے کہ مسلمانوں اور اہل حق کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ (**لاتسئلون عمّا اجرمنا**) یعنی تم سے ہمارے جرم کا سوال نہ ہوگا۔ یہاں مسلمانوں کی طرف جرم کی نسبت کی گئی۔ اور کفار جو واقعی حقیقی مجرم ہیں، ان کی نسبت سے فرمایا گیا: (**و لانسئل عما تعملون**) اور ہم سے تمہارے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ یعنی ان کی طرف **عمل** کو منسوب کیا گیا، **جرم** کو

نہیں۔ یہ دراصل، مخالف سے بطورِ تنزل وتضرع بات کرنے کی حکمت ہے۔ جیسے اس سے پہلے کی آیت میں فرمایا: ''وانّا او ایّاکم لعلیٰ ھدًی او فی ضلٰل مّبین ''ہم یا تم، یقیناً راہِ راست پر یا گمراہی پر ہیں۔ یہ بھی علیٰ سبیل التنز ل اور علیٰ وجہ الحکمت ہے۔ حالاں کہ کون راہِ راست پر ہے اور کون بھٹکا ہوا؟ اس کا علم اللہ رب العزت اور اس کے محبوب ﷺ کو، سب سے بہتر ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے: ''إِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ '' (سورۂ قلم، آیت۔۷)

ترجمہ: بے شک تمھارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے۔ (کنز الایمان)

مختصر یہ کہ انسان اگر اپنے اندر سکون وتمکنت، قرارِ نفس، زبان میں نرمی اور متانت کو جگہ دے، ساتھ ہی ساتھ لفظوں میں حُسن اور دلیل میں پختگی کو لائے تو، سامنے والے کا دل ضرور اس کی طرف مائل ہوگا۔ مگر، اب یہ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہم غیروں کے لئے مضحکہ بنے ہوئے ہیں۔ بالخصوص اس ٹکنالوجی کے دور میں، جہاں مادی ترقیات بامِ عروج پر ہوں اور پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرح بن گئی ہو؛ اور انٹرنیٹ نے قرب وبعد کا فرق مٹا دیا ہو، وہاں ہم ان مسائل میں زیادہ الجھتے ہیں، جو ہمارے عقائد ونظریات نیز اہلسنت کے معمولات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے! اور محض فرعی مسائل میں ''تُو تُو، مَیں مَیں'' کا تماشا خانقاہ ودرسگاہ سے لے کر انٹرنیٹ جیسی خوامخواہ چیز پر کرتے رہتے ہیں؛ اور ساتھ ہی ساتھ شعوری یا لاشعوری طور پر دشمنانِ اسلام نیز بدعقیدوں کو اپنی خفیف الحرکاتی، صحیح وقت پر درست فیصلہ لینے سے عدمِ واقفیت نیز اپنی کم علمی سے واقف کرا رہے ہیں اور یہ کہنے کا موقع دے رہے ہیں کہ:

پہلے تم خود اس دین اور اس کے اصول وفروع پر متفق ہو جاؤ۔ پھر، ہمیں اپنے دین کی دعوت دینے کے لئے آگے آؤ۔ پہلے اپنوں کو ایسا دین سکھاؤ، پھر ہمیں تعلیم دینا!!!

☆☆☆☆☆

اختلاف کا ایجابی پھلو

اختلاف ایک ربانی نظام و دستور ہے، جس سے چھٹکارا نہیں کہ انسان کے رنگ ونسل، عقل وشکل، خاندان وقبائل، فہم وادراک، ہر چیز میں اختلاف پایا جایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ساتھ ہر اختلاف میں کسی نہ کسی طرح کا فائدہ مضمر و پوشیدہ رکھا ہے، جو غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ چنانچہ

ابوطیب متنبّی کہتا ہے:

''تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم''

ترجمہ:۔ لوگوں میں ایسا اختلاف ہے کہ ان میں کوئی اتفاق نہیں رہ گیا۔

''لعلیٰ شحب والخلف فی الشعب''

ترجمہ: البتہ موت پر اتفاق ہے؛ حالانکہ موت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

''فقیل تخلص نفس المرء سالمة''

ترجمہ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ (موت کے بعد) انسان کی روح محفوظ رہتی ہے۔

''وقیل تشرک جسم المرء فی العطب''

ترجمہ:۔ اور بعض کہتے ہیں کہ روح بھی جسم کے ساتھ موت میں شریک ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ '' (الروم، ۲۲)

ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف۔ (کنز الایمان)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا'' (الحجرات، ۱۳)

ترجمہ:۔اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہنچان رکھو۔(کنزالایمان)

اس آیتِ کریمہ، میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تم کو مختلف جماعتوں میں بنایا تا کہ آپس میں لڑو اور جھگڑو۔ بلکہ، فرمایا: (لتعارفوا) تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

اب واضح رہے کہ تعارف صرف جاننے پہچاننے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ، وہ مختلف الانواع اور مختلف الاحوال کے ساتھ ساتھ آپس میں اچھا معاملہ کرنا، حسن سلوک، رعایت و پاسداری اور عدل وانصاف سے عبارت ہے نیز، اللہ رب العزت کی وحدانیت کا علمِ راسخ ہو کہ وہ ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے۔

اسی لیے تو پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:" لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَن طَبَق "(الانشقاق،۱۹) ترجمہ: ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے۔(کنزالایمان)

اسی طرح انسان کی کوششوں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى". (اللیل،۴)

ترجمہ:۔ بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے۔(کنزالایمان)

انسان بچپن وجوانی سے لے کر بڑھاپے تک مختلف ادوار و حالات سے گزرتا ہے۔ کبھی غنی ہے تو کبھی فقیر، کبھی صحت مند تو کبھی مریض۔ اسی طرح معاشرہ میں کوئی دادا تو کوئی پوتا، کوئی نانا تو کوئی نواسہ۔ نیز بھائی، چچا، بھتیجا۔ ماموں، بھانجا وغیرہ......الغرض جیسے جیسے وہ دور سے گزرتا رہتا ہے ویسے ویسے وہ کسی نہ کسی اوصافِ حمیدہ یا رذیلہ سے متصف ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ کوئی اوصافِ حمیدہ سے علم وآگہی کا آئینہ دار ہوتا ہے، تو کوئی اوصافِ رذیلہ سے جہل وگمراہی کے دل دل میں پھنس جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ انسان کا یہ حقیقی اختلاف، اُس کی روزمرہ کی زندگی پر مثبت یا منفی اثرات ڈالتا ہے۔ لیکن، عقل مند انسان، اسی جدوجہد میں رہتا ہے کہ وہ اپنی

طرف سے بہتر فیصلہ کرے اور سب سے اچھا معاملہ رکھے۔

اور یہی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ پاک اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" **انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاریٰ غیرھا خیراً منھا الا کفرتُ عن یمینی و اتیتُ الذی ھو خیر اَو قال الا اتیتُ الذی ھو خیر و کفرتُ یمینی**"۔

(بخاری شریف، ص:۶۶۲۳۔ مسلم شریف:۱۶۴۹۔ واللفظ للبخاری عن ابی موسی اشعری)

ترجمہ:۔ بخدا! جب مَیں کوئی قسم (اللہ تعالیٰ کے چاہنے مطابق) کھا لیتا ہوں اور پھر، اس کے دوسرے پہلو کو زیادہ بہتر دیکھتا ہوں، تو اپنی قسم کا کفارہ دیدیتا ہوں اور اس کام کو کر گزرتا ہوں، جو بہتر ہوتا ہے۔ یا فرمایا: وہ کر لیتا ہوں جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔

حضور اقدس ﷺ نے اپنا حال یہ بتایا کہ: آپ کسی وقت ایک چیز کو بہتر سمجھ کر قسم کھا لیتے۔(میرے آقا! آپ پر، ماں باپ قربان) اس کے بعد آپ کو دوسری بات بہتر معلوم ہوتی ہے، تو اپنی قسم کا کفارہ دے دیتے ہیں اور اس کام کو کر لیتے ہیں، جس کو بعد میں آپ بہتر سمجھتے ہیں۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ وہ نبی ﷺ، جن کے بارے میں رب تعالیٰ فرمائے:"وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ"(النجم، آیت ۳،۴)

ترجمہ:۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنھیں کی جاتی ہے۔(کنزالایمان)

اور جو فرش پر رہ کر عرش پر نظر رکھے، قیامت سے پہلے قیامت کے حالات بیان کرے، ان کا یہ اندازِ بیاں! محض تعلیمِ امت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ گویا آپ ﷺ یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ: اگر ہم اپنی کہی ہوئی بات پر جزم کر لیں اور بعد میں احساس ہو کہ کوئی بات اس سے بھی بہتر ہے، اور اپنی کہی ہوئی بات کی صحت پر اگرچہ

ہم نے قسم بھی کھالی ہو، تو رجوع کرنے میں عار یت محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے قسم کا کفارہ ہی کیوں نہ ادا کرنے پڑے۔ کیوں کہ اگر اس حدیث کو تعلیمِ امت پر محمول نہ کریں گے، تو لازم آئے گا کہ آپ ﷺ (**معاذ اللہ**) غلط بات پر بھی قسم کھاتے تھے۔ اور یہ بات عصمتِ نبی کے خلاف ہے؛ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام، **مُفضی الی الذنب** بات کے تو قریب بھی نہیں ہوتے۔ تو پھر گناہ کا صدور کیسے ان سے ہو جائے گا کہ کفارہ کی ضرورت پڑ جائے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ فرمان، تعلیمِ امت کے لیے تھا۔ اور مجتہدانہ شان رکھنے والے صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرنے سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان، محض تعلیمِ امت کے لیے تھا۔

بہر حال! اختلاف کا سب سے بڑا ایجابی پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان ایک صحیح فیصلہ کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ مگر، شرط یہ ہے کہ اپنے فریق یا مخالف سے انتہائی خوش اُسلوبی اور بھلائی کے ساتھ معاملہ کرے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دو باتیں رسول اللہ ﷺ سے محفوظ کی ہیں؛ آپ نے فرمایا: ''**ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسِنوا القِتلة و اذا ذبحتم فاحسِنوا الذبحَ و لیُحدَاحدُکم شَفرتَه فَلیُرِ حْ ذبیحتَه**''۔

(صحیح مسلم: ص، ۱۹۵۵۔ ابوداؤد، ۲۸۱۵۔ نسائی ۴۴۱۲۔ جامع ترمذی، ۱۴۰۹)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حق میں **اچھائی و مہربانی** اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا جب تم قتل کرو، تو قتل کیے جانے والے کو بھلائی کے ساتھ قتل کرو۔ اور جب ذبح کرو، تو بھلائی کے ساتھ ذبح کرو۔ لہٰذا (تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ) اپنی چھری تیز کر لیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچایا کرے۔

یہ احسان و خوش روی و بھلائی کا ایسا نمونہ ہے، جہاں انسان کا ذہن کبھی

نہیں جا سکتا کہ مستحقِ قتل کو بھی قتل کرنے میں احسان و بھلائی برتی جائے۔ اور انسان تو انسان، جانور کو بھی ذبح کرتے وقت خوش روی و بھلائی ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اب قارئین حضرات، خود فیصلہ فرمائیں کہ جب قتل و ذبح میں بھی حسنِ سلوک و بھلائی والا معیار مطلوب ہے، تو ہمیں اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ نیز خاندان و پڑوسیوں، دوستوں وغیرہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا کیسا معیار اپنانا چاہیے؟...... الحاصل۔ اللہ رب العزت اور اس کے پیارے محبوب ﷺ نے تمام عالم انسانیت کو ایسا ضابطۂ اخلاق عطا فرمایا ہے، جہاں حسنِ سلوک و حسنِ اُسلوب کے بغیر معاشرہ کی تعمیر ممکن ہی نہیں ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کا کام موعظۂ حسنہ و خوش اسلوبی کے ساتھ مشروع فرمایا ہے، ٹھیک اُسی طرح دلوں کو جوڑنے نیز لوگوں کی نظروں میں **ہدایت** کو محبوب و پسندیدہ بنانے کے کام میں بھی کچھ اسی طرح کا حکم عطا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اندر ایک حصہ، **مؤلفۃ القلوب** کا بھی رکھا ہے، جن میں ایک رائے کے مطابق اگر وہ ایسا کافر بھی ہے کہ جس سے اسلام لانے کی امید ہو یا جس کے ذریعہ محض شر کے دفع کی امید ہو، تو بھی۔ یا پھر اگر وہ مسلمان بھی ہے، مگر اس کے ایمان کی قوت ہی مطلوب ہے اور یہ امید ہے کہ یہ پکا مسلمان بن جائے گا۔ اِن تمام صورتوں میں وہ اس حصہ کا مستحق مانا جائے گا اور اسے محض تالیفِ قلب و احسان کی نیت سے مالی امداد پہونچائی جائے گی۔

مختصر یہ کہ دعوت و تبلیغ میں حسنِ سلوک بھی مطلوب ہے اور حسنِ نیت بھی۔

کیونکہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''**وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُون**'' (الحج، ۷۷) اور بھلے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔

(کنز الایمان)

اور مشہور حدیث ہے: ''**انما الاعمال بالنیات**'' (صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ۱) **عمل**

کا دارو مدار نیت پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی تعریف میں فرمایا کہ: ''**انک لعلیٰ خلق عظیم** '' یعنی ۔بیشک ،آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر فائز ہیں۔

واضح رہے کہ یہ تعریف محض اس بنیاد پر نہیں ہے کہ آپ کے اخلاق انہیں لوگوں میں منحصر تھے، جن کو دعوتِ اسلام دیتے اور جن کی طرف سے دعوتِ اسلام قبول کرنے کی آپ خواہش رکھتے تھے۔ بلکہ، آپ کا اخلاق مبارک اتنا مثالی تھا کہ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی، اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہے۔لوگوں نے جیسا آپ کو بعد میں دیکھا ویسا ہی پہلے بھی دیکھا۔

چنانچہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''**فی کل کبد رطبة اجر**''
(صحیح بخاری،۳۳۶۳۔صحیح مسلم،۲۲۴۴)

یعنی ہر تر کلیجے میں (اللہ نے) اجر رکھا ہے۔اور فرمایا:

'' **والشاة ان رحمتها رحمک الله** '' (مسند احمد ۵۶۳، بخاری۔الادب المفرد،۳۷۳۔طبرانی فی الکبیر۔۱۹، ۲۲، ۲۳) یعنی بکری پر بھی اگر تم رحم کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بدکار عورت کی مغفرت اس وجہ سے فرمادی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری، کتا ایک کنوئیں کے سامنے کھڑا تھا اور شدتِ پیاس سے زبان باہر کو نکالے ہوئے تھا۔ کیفیت یہ تھی کہ اندیشہ تھا کہ کہیں پیاس کی شدت، اُس کی جان نہ لے لے۔اس عورت نے اپنے خف کو اتارا؛ اور اپنے ڈوپٹے سے اس کو باندھا اور پھر اس کے ذریعہ اس کتے کے لئے کنویں سے پانی نکالا اور کتے کو پلا دیا۔بس اس وجہ سے حق تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔(بخاری۔۳۳۲۱ مسلم۔۲۲۴۵)

یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیئے کہ دین اس لئے نہیں آیا کہ انسانوں کے

درمیان نزاع، اختلاف اور دوری کو بڑھائے۔ بلکہ دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان باہمی رابطہ قائم ہو، آپسی تعلق مضبوط و منظم ہو اور اللہ کی زمین آباد رہے۔جیسا کہ: اللہ پاک کا ارشاد ہے:

'' **هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا** '' (ہود،۶۱)

ترجمہ:۔اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں بسایا۔
(کنزالایمان)

یہی وجہ ہے کہ رب کائنات جل وعلا نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو مشیتِ ربانی یہی تھی کہ زمین کو انسانیت سے آباد کیا جائے؛ تاکہ لوگ اس میں جدوجہد کے ساتھ ساتھ سیر بھی کریں۔ چنانچہ ملائکہ نے اسی لئے بارگاہِ رب میں عرض کیا: '' **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ** '' (البقرہ،۳۰)

ترجمہ:۔کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے، تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔(کنزالایمان)

یہ سوال فرشتوں نے اس لئے کیا کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ زمین میں فساد اور خون ریزی کریں گے، جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔لھذا، مقصدِ تخلیق تو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔اور رہا تقدیس و تسبیح بیان کرنے کا، تو وہ ہم کرتے رہتے ہیں۔تو پتہ چلا کہ تخلیق انسانی کے اور بھی مقاصد ہیں، جن کی تکمیل صرف فرشتوں کے پیدا کرنے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ، ایک شرعی نظام نافذ کرکے انسانی اقدار کو ظاہر کرنا بھی، مقصود تھا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور کتابوں کا نزول فرمایا۔اسی لئے فرشتوں کے عرض کرنے پر رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: '' **إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ** '' (البقرہ،۳۰)

ترجمہ:۔ مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔(کنزالایمان)

لہٰذا یہ واضح رہے کہ شریعت کا مقصد **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر**، فرائض وواجبات وسنن کا پابند ہونا اور منکرات، یعنی محرمات ومکروہات سے خود کو بچائے رکھنا ہے۔ بالخصوص، زنا، جھوٹ، چوری، قتل، ظلم، وغیرہ کی حرمت یا جو اُن کے مشابہ ہیں، ان کی حرمت قطعی ہے۔ اِس آخری شریعت نے انسانوں کے حقوق کی مکمل طور پر حفاظت کی ہے؛ اسی لیے اس کی بھی متقاضی ہے کہ باہم اختلاف ہو، تو اس صورت میں بھی ان کے حقوق کی پاسداری اور حفاظتِ دین ہو۔ یہ اسلام کا اہم مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے دائرہ میں اختلاف کو مقبول اور باعثِ اجروثواب بنایا ہے، بشرطیکہ اختلاف متعینہ حدود کے اندر ہو، اچھی نیت کے ساتھ ہو، نفس وہوا کی پیروی سے محفوظ ہو۔ یعنی اختلاف، اپنی اصل وذات میں رحمت اور وُسعت ہے۔ پریشانی اور تنگی اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس میں نفسانیت اور مادیت کی آمیزش ہو جائے یا یہ شرعی اختلاف انتہائی غیر شرعی انداز میں ہونے لگے، تو اختلاف انسانوں کے درمیان افتراق وانتشار کا باعث بن جاتا ہے۔

اسحاق بن بہلول نے ایک کتاب لکھ کر، **امام احمد بن حنبل** رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: میں نے اس کتاب کا نام "**کتاب الاختلاف**" رکھا ہے۔ تو، **امام احمد** نے فرمایا: اس کا نام، کتاب الاختلاف مت رکھو۔ بلکہ "**کتاب الوسعت**" رکھو۔ (ملاحظہ ہو: طبقاتِ حنابلہ، جلد۔۱/ص:۱۱۱)

یہ ان کی فقاہت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، اسی لیے تو بعض علما نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق فرمایا کہ: "صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق، حجتِ شرعیہ ہے اور ان کا اختلاف رحمتِ واسعہ ہے"۔

☆☆☆☆

اختلاف کے ضوابط و اخلاقیات

جیسے ہر فن کے اپنے خاص اور جُدا جدا اُصول وضوابط ہوتے ہیں، جن کے بغیر اس فن کا حصول ممکن نہیں ہوتا، ایسے ہی اختلاف کے بھی چند اصول وضوابط ہیں، جن کے بغیر اختلاف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

اگر فقہا واصولیین کے اقوال وفتاویٰ کو **من جہتِ الاختلاف** دیکھا جائے، تو کئی اصول وضوابط، جن کی رعایت سلف صالحین وائمہ دین نے فرمائی ہے؛ ان کے طرزِ اختلاف سے ظاہر ہوں گے۔ اُن سب میں، سب سے بنیادی چیز، ضابطۂ اختلاف اور "**اختلاف کے اخلاقیات**" ہیں۔

اس لیے چند ثبوتی یا عدمی امور، جن کا لحاظ اخلاقیات کے باب میں رکھنا ضروری ہے، حسب ذیل ہیں۔

(۱) اختلاف کرنے والوں کا آپس میں لعنت وملامت سے گریز کرنا:۔

اختلاف کرتے وقت زبان کا شستہ ہونا، اسلوب کا اچھا ہونا اور لہجہ کا سنجیدہ ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اور نخوت ہمہ دانی، غرور اور فریق کو خود سے کم تر سمجھنا، اختلاف کے اخلاقیات کے سخت خلاف ہے۔

چنانچہ...... **حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ** فرماتے ہیں: "**فتویٰ دینے والوں سے فتاویٰ اور مسائل کا سوال ہمیشہ ہوتا رہا، اور وہ جواب دیتے رہے۔ ایک نے ایک چیز کو حلال، تو دوسرے نے اسی چیز کو حرام کہا؛ مگر حرام کہنے والوں نے یہ نہیں سمجھا کہ حلال کہنے والا تباہ وبرباد ہوگیا۔ اور نہ حلال کہنے والے نے یہ گردانا کہ حرمت کا فتویٰ دینے والا اس کی وجہ سے ہلاک ہوگیا**"۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبد البر: ۱۶۹۱)

یعنی مفتی صورتِ مسئولہ کے مطابق اپنی رائے پیش کرتا ہے، تو اس میں فریقین نہ استحلالِ حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہ استحرامِ حلال کے مرتکب ہوتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''بغداد کا پُل پار کر کے خراسان کی طرف، اسحاق بن راہویہ، جیسا آدمی نہیں آیا۔ اگر چہ، وہ بعض چیزوں میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں؛ کیونکہ لوگ آپس میں برابر اختلاف کرتے رہے ہیں''۔ (ابن عساکر: تاریخ دمشق جلد ۸ ص ۸۲۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد: جلد ۶/ص: ۸۴۳)

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (جنھوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ۱۶/غزوات کیے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چھوٹے یا بڑے لشکر پر کسی کو امیر بناتے، تو اس کو اپنی ذات کے حق میں اور ساتھ ہی مسلمانوں کے حق میں اللہ سے ڈرنے اور خیر کی وصیت کرنے کے ساتھ یہ فرماتے:

''جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرنا، اور وہ تم سے اللہ عز وجل اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ چاہیں، تا کہ تم اس بنیاد پر ان سے معاملہ کرو؛ تو تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ بلکہ، اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ کی بات کرنا، کیونکہ اپنے اور ساتھیوں کے ذمے کی خلاف ورزی کرنا بہتر ہے اِس بات سے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرو۔ اور اگر تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو، اور پھر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم کی بنیاد پر قلعہ سے اتارو، تو تم ان کو مت اتارنا۔ بلکہ اپنے حکم اور فیصلہ کی بنیاد پر اتارنا؛ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے حق میں اللہ کے حکم کو اپنانا اور جاننا تمہارے بس میں ہے بھی کہ نہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۷۳۱)

حضور ﷺ نے اس موقع پر اپنے اصحاب میں سے ایک ایسے شخص کو اس قسم کی وصیت فرمائی، جس کو آپ ﷺ نے لشکر اور فوج کی قیادت کے لیے چنا، اور ابھی ظاہری طور پر ان کے درمیان ہی ہیں، پھر بھی فرما رہے ہیں: لوگوں کو

اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مت اتارنا۔ اس لیے کہ تم یہ نہیں جان سکو گے کہ ان کے حق میں تم، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل کر سکے کہ نہیں۔

مندرجہ بالا حدیث شریف نے اخلاقیات کا وہ خوبصورت سبق عطا کیا ہے، جو بلا شبہ علما اور صاحبانِ افتا کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

جب کہ اس کے برعکس دوسری طرف، کئی ایسے غیر ذمہ دار فتویٰ دینے والے نخوتِ علم کے شکار لوگ بھی ملیں گے، جو بے خوف ہو کر اپنی تحقیق کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور (هٰذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب) کہنے کے بجائے **اپنی ذاتی رائے** کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت سے مستنبط نہ بھی ہو، تب بھی ایسا باور کراتے ہیں؛ گویا وہ، (منزل من اللہ) ہے۔

بانئ شہرِ بغداد، **خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور** نے **امام دار الہجرۃ، حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ** کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ کی کتاب: **''مؤطا''** کو تمام عالمِ اسلام میں پھیلا دیا جائے اور سب کو اس پر عمل کرنے کے لیے پابند بنا دیا جائے؛ تو **امام مالک رحمۃ اللہ علیہ** نے عجز وانکسار کا پیکر بن کر، خلیفہ **ابو جعفر منصور** کو اس سے منع فرمایا اور یوں گویا ہوئے:

''اے امیر المؤمنین، آپ ایسا نہ کریں۔ اس لیے کہ لوگوں کے پاس پہلے سے بہت سارے اقوال ہیں اور انہوں نے بہت سی حدیثیں سن رکھی ہیں، وہ بہت ساری روایات نقل کرتے ہیں اور ہر قوم کے پاس جو علم پہلے سے پہنچ چکا ہے، اس کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور اسی پر ان کا عمل ہے۔ نیز اسی کو وہ اپنا دین سمجھتے ہیں، جن میں ان کا اور دوسروں کا اختلاف بھی ہے۔ اور لوگ جس چیز کے قائل اور معتقد ہوں، اس سے ان کو پھیرنا بڑا سخت ہوتا ہے۔ اس لیے عام لوگ جس چیز پر ہیں، ان کو اسی پر رہنے دیجئے اور اسی پر ان کو چھوڑ دیجئے جس کو

ہر شہر و علاقے کے لوگوں نے اپنے لیے اختیار کر رکھا ہے'' (الطبقات الکبریٰ جلد ا ص ۴۴۰، سیر اعلام النبلاء جلد ۸/ص: ۷۸)

یہ امام مالک کی فقاہت وتقویٰ اور باریک بینی کا اثر تھا، جس نے مسائلِ امت کے ساتھ ساتھ مصالحِ امت کا بھی خیال رکھا۔ اور اپنی بات کو حق جاننے کے ساتھ ساتھ دوسرے کی بات کو بھی حق گردانا۔ اب ایک طرف امام مالک جیسے مجتہدِ مطلق کی بات کو سامنے رکھیں اور دوسری طرف غور فرمائیں کہ ہمارے یہاں لوگ جب اختلاف کرتے ہیں تو وہ، اخلاقیات کی کن کن حدود کو پامال کرتے نظر آتے ہیں!!!۔ العیاذ باللہ۔

(۲) انصاف:۔

اختلاف کے اخلاقیات میں ''انصاف'' بڑا پسندیدہ خلق ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ معاملات میں تم دوسروں کو اپنی جگہ رکھو۔ انصاف ایک ضروری چیز ہے، جس کے لیے کچھ عملی معیار وحدود متعین ہیں۔ مثلاً:

(الف) جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی سے ختم ہوتی ہے۔

اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: '' **الیقین لا یزول بالشک**''، یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا جس آدمی کا مسلمان ہونا ثابت ہو، اسے خارج از اسلام محض شک وشبہ کی بنیاد پر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بلکہ تکفیر کے لیے انکارِ ضروریات وقطعیات کا یقین درکار ہے۔ ذاتی چپقلش یا مشربی وعلاقائی تعصب کی وجہ سے حکمِ کفر یا ضلالت لگانا، جب کہ اس کی بنیاد صحیح نہ ہو، سراسر شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس کا سنی ہونا ثابت ہو، اسے دلیلِ یقینی کے ذریعہ ہی **غیر سنی، یا صلح کلی** کہا جاسکتا ہے۔ دیگر احکامِ شرعیہ کے اجراء میں بھی یہی ضابطہ کارفرما ہے، جس کا لحاظ ہر مفتی پر لازم ہے۔

(ب) ایمان کا حکم لگانے میں خطا، کفر کا حکم، لگانے کی خطا سے اھون ہے:۔

یعنی اگر کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر تم اس کے اسلام کا حکم لگاؤ، باوجود اس کے کہ باطنی حال اس کا نفاق وکفر جیسا ہے، تو یہ اس سے اھون ہے کہ تم جلد بازی سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر کفر کا حکم لگاؤ، **لان الاحکامَ علیٰ الظاهرِ والله يتولى السرائر۔**

خیال رہے کہ اگر کسی مسلمان پر حکم کفر لگا دیا، تو ایسی صورت میں تم اس وعید کے مصداق ہو گئے، جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہے: ''اگر کوئی آدمی کسی کو کفر کے ساتھ پکارتا ہے یا اللہ کا دشمن کہتا ہے اور وہ ایسا نہیں ہے، تو یہ بات اس قسم کا کلمہ کہنے والے پر لوٹتی ہے۔ (صحیح مسلم: ص۔ ۶۱) یعنی اگر اس نے مسلمان کو کافر اعتقاد کر کے کہا، تو کہنے والے پر پلٹے گا۔

(ج) کسی فرد معین کو کافر کہنے یا اس کے لیے لعنت سے گریز کرنا:۔

یہ بھی اختلاف کے اخلاقیات میں سے ہے؛ نیز انصاف کا تقاضہ بھی ہے کہ جب تک کسی فردِ معین کا کفر، قطعی اور متحقق نہ ہو، تب تک اس فرد معین کو کافر نہ کہا جائے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، **فرقہ جہمیہ** کو کافر قرار دیتے تھے، مگر کسی فرد معین کو کافر کہنے سے گریز فرماتے، جب تک کہ قطعیات وضروریاتِ دین کے انکار کی تحقیق نہ فرما لیتے۔ یہاں تک کہ **مامون**، جو ان سب کا مرجع تھا، اُسے بھی نہیں کہا۔ بلکہ مامون کے لیے دعائے ہدایت کیا کرتے تھے۔ اور اس نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کے لیے آپ نے اسے معاف فرما دیا تھا۔

(د) مجتہد فیہ مسائل میں کسی کو گنہگار کہنا یا قطع تعلق ہی کر لینا:۔

یہ سب صحیح نہیں ہے اور انصاف کے منافی ہیں۔ لیکن مقلد ہر حال میں اپنے امام ومجتہد کے حکم کا ضرور پابند رہے گا۔

(ہ) ظاہر پر اعتماد اور باطن کو اللہ کے سپرد کرنا:۔

جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دل چیروں (اور دیکھوں)''۔ (صحیح بخاری۔ص: ۴۳۵۔صحیح مسلم۔ ص:۱۰۶۴،۱۴۴)

اختلاف کے اخلاقیات کے تناظر میں مندرجہ بالا حدیث نے ایک خوبصورت پیغام بھی دیا ہے کہ ظاہر پر اعتماد واعتبار کرو اور جو باطن و پوشیدہ ہے، اسے اللہ رب العزت کے سپرد کردو، تجسس وتتبع اس موقع پر غیر پسندیدہ ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں بھی امکانِ خطا ہوگا اور اس کی بنیاد پر شرعی مسئلہ غلط محل میں فٹ کیا جائے گا، جو کہ ممنوع ہے۔

(و) اپنی برائی کرنے والے کی قرار واقعی، عظمت اور علم کا اقرار کرتے ہوئے حسن ظن رکھنا:۔

یعنی اگر کسی شخص کے بارے میں سنو کہ وہ تمہاری برائی کرتا ہے یا غیبت کرتا ہے اور ہمیشہ تمہارے محقق مسائل سے اختلاف رکھتا ہے، تو یہ ممکن ہے کہ اس کا یہ عمل بر بنائے بغض وحسد ہو۔ لیکن، اگر وہ عالم دین، **فقیہ النفس** ہے، تو اس کی قرار واقعی اور علمی حیثیت کا اعتراف کرو اور حسن ظن رکھو۔ کیوں کہ اگر ایسی صورت میں تم نے کوئی انتقامی قدم اٹھایا، یا غیبت، تم سے ہوئی۔ یا نازیبا کلمات ہی تمہاری طرف سے صادر ہوئے، تو یہ ایک غیر اخلاقی قدم ہوگا نیز عدل وانصاف کے منافی عمل بھی قرار پائے گا۔

جذبۂ انتقام میں اِس بات کے در پے ہونا کہ اس کی لغزش نکالی جائے، لایعنی بات ہے، نیز مسائلِ فقہیہ میں اس کے تطفلات کو طنز ومزاح سے تعبیر کرنا بھی انتہائی غیر مناسب عمل ہے، جو اختلاف کے اخلاقیات کے منافی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس دورِ حاضر میں اس کی رعایت نہ تو زندوں کے

ساتھ ہوتی ہے، نہ مردوں کے ساتھ۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم عصروں کا ایک دوسرے کے حق میں کلام وتبصرہ لائقِ اعتنا نہیں۔ بالخصوص، جب یہ سمجھ میں آتا ہو کہ اس کے پیچھے عداوتِ مذہب ومشرب یا حسد کا دخل ہے۔ اِن چیزوں سے تو وہی بچ پاتا ہے، جس کو اللہ بچالے''۔

آگے **امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مزید** فرماتے ہیں کہ: ''اور یہ میں نہیں جانتا کہ حضرات انبیا اور صدیقین کے علاوہ کوئی ایسا ہوا ہے، جو کسی زمانے میں ایسی چیزوں سے محفوظ رہا۔ اور میں چاہوں تو اس بابت دفتر کے دفتر تیار کر سکتا ہوں''۔ (ملاحظہ ہو: لسان المیزان: جلد۔۱ص:۲۰۱ ترجمہ: ابونعیم اصفہانی)

میں اگر، اِس دور کے ہم عصروں کی مثال اس موقع پر دوں، تو بات طویل ہو جائے گی اور کتاب کا مقصد بھی شاید فوت ہو جائے۔ اس لیے قارئین کرام کے لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ودیگر متقدمین علماء کے زمانے کی چند مثالیں پیش کررہا ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بعض طلبہ سے دریافت فرمایا کہ: کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: **ابو کریب کی مجلس** سے۔ (ابو کریب کا معاملہ یہ تھا کہ وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہتے تھے اور بعض مسائل کی وجہ سے ان پر تنقید کرتے تھے)۔ بہر حال: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان سے احادیث لکھا کرو کیوں کہ وہ، شیخ صالح ہیں۔ اس پر ان طلبہ نے کہا کہ: حضور! وہ تو آپ کے اوپر اعتراض کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں کیا کر سکتا ہوں آدمی نیک ہیں، مگر میری وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے'' (تاریخ دمشق۔ ص:۵۵،۵۸)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو خوب پتہ تھا کہ مجھے برا بھلا کہنا، مجھ سے حسد کی وجہ

سے تھا؛ مگر آپ نے ان کی قرار واقعی اور علمی حیثیت کا اس درجہ پاس ولحاظ
رکھا، جس نے معاملات میں انصاف واخلاق کی نظیر قائم کردی۔

ایسے ہی **اعمش** نے **زر بن جیش اور ابو وائل** کے متعلق ذکر کیا ہے کہ: **زر علوی**،
یعنی حضرت علی کے محبّ اور ابو وائل عثمانی تھے، یعنی حضرت عثمان کے محبّ۔

دونوں میں حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت سے بے انتہا محبت تھی اور پوری
زندگی سے لے کر موت تک، اُن دونوں نے کبھی ایک دوسرے کے حق میں
کچھ نہیں کہا۔ اور یہ بھی ہے کہ **ابو وائل** نے، **زر** کے سامنے کبھی حدیث بیان
نہیں کی۔ اس لئے کہ زر، عمر میں ابو وائل سے بڑے تھے۔ (ملاحظہ ہو: طبقات
کبریٰ۔ جلد ۶ ص: ۱۰۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳، ص: ۲۷۷)

یہی امام ذہبی ہیں، جنہوں نے **ابو محمد حزم الظاھری** کا کچھ اس طرح
تعارف کرایا ہے کہ: مجھ کو ابو محمد سے تعلق ہے؛ کیونکہ انہیں حدیثِ صحیح سے گہرا
تعلق و واقفیت ہے۔ اگر چہ ان کی بہت سی باتیں ہیں، جو انہوں نے رجال
ِ حدیث اور علل کے متعلق کہی ہیں، اسی طرح اصول وفروع کے بہت سے
عجیب وغریب ان کے مسائل ہیں۔ اُن سب میں، مَیں اُن کی موافقت نہیں
کرتا اور بہت سے مسائل کے اندر میں ان کو خطا کار سمجھتا ہوں۔ لیکن، نہ میں
ان کی تکفیر کرتا ہوں اور نہ ان کو گمراہ کہتا ہوں۔ بلکہ عفو وچشم پوشی سے کام لے کر
ہدایت کی امید کرتا ہوں، اور میں ان کی قوتِ ذہانت نیز وسعتِ علم کا قائل اور
معترف ہوں''۔ (ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء: جلد ۱۸، ص ۲۰۱، ۲۰۲)

قارئین کرام! اپنی اپنی فکر اور وسعتِ علم میں میرا یہ سوال رکھیں اور للہ
جواب دیں کہ عدل وانصاف، اخلاق ورواداری اور باہمی تکریم وتوقیر کی یہ
مثالیں اب کالعدم کیوں ہو چکی ہیں؟ عفو ودرگزر کا جذبہ معدوم کیوں ہوتا جا
رہا ہے؟ ....تکفیر وتضلیل اور تفسیق وتکفیر کی اس بے قابو آندھی میں

انصاف واخلاق کا چراغ کیسے فروزاں کیا جائے؟ جب کہ اختلاف کے
اخلاقیات کے باب میں عدل وانصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ فریقِ مخالف کے
پاس جو حق وصواب ہو، اس کو قبول کر لیا جائے، خواہ باہم فکر ونظر کا اختلاف ہی
کیوں نہ ہو۔

(۳) صبر واستقامت، مدارات ورواداری، ایذاء پر تحمل اور برائی کا اچھائی سے جواب:۔

اللہ رب العزت نے اِن سب کا حکم اپنی کتاب میں کئی جگہ ہمیں دیا ہے: مثلاً۔

"وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَکَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ" (حٰمٓ السجدہ، ۳۴)

ترجمہ:۔ اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی (اے سننے والے) بُرائی کو
بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا
دوست۔ (کنز الایمان)

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسی اخلاقی کردار سے اپنے دشمنوں کے دلوں
کو اپنی طرف مائل کیا اور ان کی شدت ونفرت کا اپنے صبر وحلم سے ایسا علاج فرمایا کہ
آپ کے مطیع وفرمابردار ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بلا شبہ یہی کردارِ نبی اگر ہم اپنی
زندگی میں اپنا لیں، تو ہم آپسی نفرت وعداوت کو دور کرنے میں ان شاء اللہ العزیز
ضرور کامیاب ہوں گے۔ خیال رہے کہ! عداوت ونفرت کو ختم کرنے اور دلوں کو قریب
کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے جذبۂ انتقام کو سرد کریں اور کسی قسم کے محاسبہ
سے احتراز کریں اور محض'' **الدین النصیحه**'' کے جذبہ سے سرشار ہو کر مناسب لب
ولہجہ میں معاملہ کو نپٹائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب رکھا ہے (**باب من لم
یواجه الناس بالعتاب**) یعنی لوگوں سے عتاب کی بات نہ کرنا......اسی میں ام المؤ

منین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا اور اس میں سب کے لئے رخصت و وسعت رکھی؛ کچھ لوگوں نے پھر بھی اس کو نہ کیا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہو، تو آپ ﷺ نے صحابہ سے خطاب فرمایا اور خطاب میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ’’کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جس چیز کو میں کرتا ہوں وہ اس سے بھی احتراز کرتے ہیں! بخدا میں اللہ کو اُن سے کہیں زیادہ جانتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں (اللہ سے) کہیں زیادہ ڈرتا ہوں۔

(ملاحظہ ہو بخاری شریف حدیث۔۶۱۱۰۔ مسلم شریف۔۲۵۶)

اسی قبیل کی وہ حدیث بھی ہے، جس میں ایک آدمی کے آنے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اس کو بلالو؛ مگر یہ بُرا آدمی ہے۔ اور جب وہ اندر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کو قریب کیا اور اپنے گدے پر بیٹھایا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ نے تو یہ فرمایا تھا، اور پھر یہ معاملہ؟ تو آپ ﷺ نے اپنے اِس سلوک کی وجہ یوں بیان فرمائی ’’**ان من شر الناس من ترکہ الناس اوودعہ النا س اتقاء فحشہ**‘‘ [صحیح بخاری۔۶۰۵۴ صحیح مسلم۔۲۵۹۱]

ترجمہ:۔ وہ آدمی بروں میں سے ہے، جس کو لوگ اس کی بدکلامی وسخت مزاجی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

(۴) عدم تعصب:۔ خیال رہے کہ تعصب وعصبیت، کسی کی محبت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ اور محبت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

’’**حبک الشیئی یعمی ویصم**‘‘ (مسند احمد: جلد،۵۔ص۱۹۴/،۔ابوداوٗد۔۵۱۳۰)

شرعی وفقہی مسائل میں کسی بھی قسم کا تعصب نہیں ہونا چاہیئے، نہ مشرب و مسلک کا، نہ پیرومرید کا، نہ استاذ وشاگرد کا، نہ جماعت وتحریک کا۔ کیوں کہ یہ سب **نفسِ اختلاف** کے لیے بھی مذموم ومہلک ہیں اور کرنے والے کے لیے بھی۔

بعض لوگ تعصب کو **تصلب** کا مترادف سمجھتے ہیں۔ تو میں عرض کروں کہ

تصلب مقامِ مدح میں استعمال ہوتا ہے؛ جب کہ تعصب کا استعمال بالخصوص مسلمانوں کے مابین صرف اور صرف ذم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے جسے بعض نے مرفوعاً اور بعض نے موقوفاً نقل کیا ہے’’**احب حبیبک ھونا ماعسی ان یکون بغیضک یوما وابغض بغیضک ھونا ما ما عسی ان یکون حبیبک یوما ما**‘‘ (ملاحظہ ہو سنن ابن ابی شیبہ۔۳۵۸۷۹۔ بخاری فی الادب المفرد۔۱۳۳۱۔ بیہقی فی شعب الایمان۶۵۹۳، موقوفا جامع ترمذی ۔۱۹۹۷۔طبرانی، فی الاوسط۔۳۳۹۵ قضاعی فی المسند الشباب۔۳۹۷موقوفا)

ترجمہ:۔ اپنے دوست اور محبوب سے ایک حد تک محبت کرو کہ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارا کبھی دشمن بن جائے اور اپنے دشمن سے نفرت ایک حد میں کرو ہوسکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

اس فرمانِ حیدری پر غور وفکر فرمایئے اور تعصب کی عینک کو نکال پھینکیے نیز اختلاف کی جو اخلاقی اقدار ہیں، ان کے ساتھ انصاف کیجئے تاکہ آنے والی نسل کو مزید خرابی سے بچایا جاسکے۔ کیوں کہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ بعض حضرات اپنے فریق کو اپنے تعصب کی چشم سے دیکھتے ہیں کہ انہیں اچھی بات میں بھی برائی اور بری باتوں میں اچھائی نظر آتی ہے۔

اور اگر یہی تعصب کسی شخصیت (خواہ پیر ہو یا استاد یا کسی اور) کی محبت میں اپنے مخالف سے ہوتو، اس میں حد درجہ غلو کی آمیزش ہوجاتی ہے؛ جس کے نتیجے میں یہ اختلاف، افتراق میں بدل کر اختلافِ مذموم بن جاتا ہے۔ پھر یہ غلو، انسان کو شخصیت پرستی کے مکڑ جال میں پھنسا کر فریقِ مخالف سے اپنی بات منوانے کے لیے ساری حدیں پار کرادیتا ہے۔ اور یہی شدتِ غلو اگر مرید میں آجائے، تو اس کے شیخ سے بڑا کوئی شیخ نہیں۔ اور اگر شاگرد میں آجائے، تو اس کے استاذ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ یہ ہمارے مابین کیا ہورہا ہے! اللہ رحم فرمائے۔

جب کہ آپ دیکھیں کہ ایک بڑی ذات سے منسوب ، بڑے غلو کی تردید،**امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ** کس طرح پُر زور طور سے کر رہے ہیں اور ہمیں کتنا سنہرا موقع تعلم وتفہم کا دے رہے ہیں کہ بڑی ذات کے تعلق سے غلو بھی بڑا ہی ہوتا ہے ؛اس لیے اس کو فوراً قبولیت کا درجہ نہ دو، بلکہ پہلے تحقیق کرو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے کسی نے کہا تھا کہ:''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر ایک نظر، ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے''۔

یہ بات جب امام ذہبی رحمہ اللہ نے سنی؛ تو کہا: یہ غلو ہے، جو درست نہیں۔

(ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء۔ جلد ۱۱، ص: ۲۱۱)

آج کا ماحول بھی کچھ اس طرح ہو گیا ہے کہ، ایک فرد کو کسی مسئلہ میں بغیر تصویب وتحقیق کے محض عقیدت یا تعصب کی بنیاد پر لوگوں کی ایک بڑی تعداد مان لیتی ہے اور بڑے بڑے القابوں سے نوازنے لگتی ہے۔ یہ سب غیر اخلاقی طرزِ اختلاف ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح درجنوں مثالیں اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلا'' میں تحریر فرمائی ہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہر طرح کے تعصب کو، چاہے وہ علاقائی ہو یا خاندانی، علمی ہو یا مشربی، سب کو بالائے طاق رکھیں اور اہل علم وصاحبانِ افتا کے فتاوے اور نظریے کو ان کی درستگی معلوم ہو جانے کے بعد ایمانی جذبے سے قبول کریں ۔اور اس معاملے میں تقلید کا قلادہ اپنے گلے میں نہ ڈالیں؛ یہاں تک کہ اس معاملے میں اپنے پیر ومرشد کی بھی اندھی پیروی نہ کریں ، بلکہ شرعی امور میں صرف مسئلۂ شریعت کو ہی ترجیح دیں۔ کیوں کہ شرعی مسائل میں پیر سے اختلاف رکھنے سے بیعت وارادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یوں تو اختلاف کے قواعد واخلاقیات بہت ہیں ۔مگر میں نے تطویل کے خوف سے اختصاراً انہیں چند کو پیش کیا ہے، جن سے اصالۃً یا ضمناً بہت سے گوشے سامنے آتے ہیں۔

☆☆☆

اختلاف کے اسباب وعلل

اختلاف کے اسباب ومحرکات سے پہلے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اختلاف ہر دور میں ہوا اور قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا؛ لہٰذا اگر کسی کے دل میں یہ خواہش ہو کہ نظریات وتفکرات کے اختلاف مٹ جائیں، تو یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر اختلاف کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب وعلت ضرور کارفرما رہتی ہے۔ خواہ وہ، ہماری گھریلو زندگی ہو یا سماجی زندگی، کاروباری زندگی ہو یا سیاسی زندگی۔ اسی طرح ہماری دینی ومذہبی زندگی ہی کیوں نہ ہو۔ **الغرض** زندگی کے ہر شعبہ میں اختلاف کا کسی نہ کسی سبب سے مسبب ہونا لابدی وضروری چیز ہے۔

رہا سوال ہماری مذہبی زندگی کے اختلاف کا، تو یہ خواہ اصول میں ہو یا فروع میں، سب کسی نہ کسی سبب سے مسبب ہے۔

اس حوالے سے کئی کتابیں اہلسنت اور اہل بدعت، دونوں کی موجود ہیں۔ خصوصی طور پر، **حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ** کی مشہور زمانہ کتاب ''**الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف**'' انتہائی مفید ہے۔ جس میں آپ نے قرنِ اول سے لیکر تابعین وائمہ مجتہدین اور چوتھی صدی سے پہلے تک کے، نیز اس کے بعد کے **حالات** کا بھی مکمل احاطہ فرمایا ہے۔ اور اختلافِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اختلاف کے بدلتے اسباب پر بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

اصولِ فقہ کے باب میں اسبابِ اختلاف ،ایک تفصیل طلب امر ہے؛ جس کی تفصیل آپ'' **الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف**'' میں

پڑھ سکتے ہیں۔

زیرِنظر کتاب میں انتہائی اجمال کے ساتھ چند مفید باتیں، اسبابِ اختلاف کے حوالے سے ذاتی مطالعہ کی روشنی میں تحریر کررہا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ اُن اسباب کو بھی ضبطِ تحریر میں لا رہا ہوں، جو کہیں نہ کہیں موجودہ دور میں پائے جاتے ہیں۔

......**حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ** فرماتے ہیں:

"واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں علم فقہ، بحیثیت فن مدون نہ تھا اور اُس وقت احکامِ (شرعیہ) کے بارے میں بحث کا وہ طریق نہ تھا، جو بعد میں رائج ہوا۔ فقہا اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے مدلل طور پہ کسی حکم کے ارکان وشرائط وآداب بیان کرتے ہیں۔ فرضی مسائل سامنے رکھ کران پر بحث کرتے ہیں، نیز اشیا کی جامع ومانع تعریف بیان کرتے ہیں اور جن امور پر کسی مسئلہ کا انحصار ہے، اسے واضح کرتے ہیں"۔ وغیرہ۔

آگے مزید فرماتے ہیں کہ: **"رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ آپ ﷺ جب وضو فرماتے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا طریقۂ وضو دیکھ کر اسے اختیار کر لیتے؛ بغیر اس کے کہ آپ ﷺ یہ بتاتے کہ فلاں عمل وضو میں لازمی ہے اور فلاں عمل (لازمی تو نہیں مگر) بہتر ہے۔ اسی طرح آپ نماز پڑھتے اور صحابۂ کرام آپ کی نماز دیکھ کر اسی طرح نماز ادا کرتے۔ نیز انہوں نے جس طرح آپ کو حج کرتے ہوئے دیکھا، اسی طرح حج کرنے لگے۔ الغرض آپ ﷺ کا عام طریقۂ تعلیم یہی تھا۔ آپ نے کبھی یہ بیان نہیں فرمایا کہ وضو کے چار، یا چھ فرض ہیں اور نہ کبھی آپ نے یہ گمان کیا کہ ہوسکتا ہے کبھی کوئی شخص اعضائے وضو کو پے در پے نہ دھوئے، جس کی وجہ سے وضو کے درست یا نہ درست ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔ اِس بارے میں شاذ و نادر ہی کچھ فرمایا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام آپ سے ایسے سوال بھی بہت کم کرتے تھے۔**

حضرت ابن عباس سے، مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر کوئی جماعت نہیں دیکھی۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوری زندگی میں صرف (۱۳/تیرہ) سوال پوچھے۔ ان سب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ منجملہ ان کے یہ دو آیتیں بھی ہیں:

(۱) "يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٌ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ" (بقرہ۔آیت ۲۱۷)

ترجمہ:۔ تم سے پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم، تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ (کنزالایمان)

(۲) اور "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ" (بقرہ، آیت ۲۲۲)

ترجمہ:۔ اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم۔ (کنزالایمان)

اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ صحابۂ کرام صرف وہی مسائل پوچھتے جو سودمند ہوں (بے فائدہ سوالات نہیں کرتے تھے)"۔ (ملاحظہ ہو: الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف۔ قدیم نسخہ۔ ص: ۳/۴۔ مولفہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

مختصر یہ ہے کہ صحابۂ کرام اُن ہی مسائل کی بابت دریافت کرتے تھے، جن سے ان کا سابقہ پڑتا تھا۔ اور حضور ﷺ جو کچھ حق بات ارشاد فرماتے تھے، چاہے وہ معاملات کے مسائل ہوں یا قضا کے۔ سب میں صحابۂ کرام صرف آپ ﷺ کے فیصلہ پر ہی اعتماد کرتے تھے۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے تو بڑی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ میں صرف قارئین کے لیے نفع بخش خیال کرتے ہوئے اس کی مختصر تلخیص پیش کررہا ہوں۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مسائل کے حوالے سے یہی عمل تھا کہ ہر صحابی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادات، معمولات، نیز آپ

کے فرامین میں سے جوانھیں میسر ہوتا،انہیں یادکر لیتے اورقرائن وحالات سے ان کاسبب معلوم کرتے۔نیز اپنے وجدان واطمینانِ قلب پر اعتماد کرتے۔

عہدرسالت تک تو صحابۂ کرام کا یہی حال رہا۔پھر صحابۂ کرام کومختلف حالات وکوائف اورمسائل سے سابقہ پڑا۔چنانچہ بکثرت واقعات رونما ہوئے اور بہت سے نئے مسائل سامنے آئے،جن کی بابت اُن سے فتوے پوچھے جاتے۔اور صحابی وہی جواب دیتے،جیسا بطورِ مشاہدہ عہدرسالت میں یادکیا تھا۔اور اگرصحابیٔ رسول کوآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال،افعال نیز خودصحابی کو اپنے مستنبطہ مسائل میں وہ بات نہیں ملتی،جس کے بارے میں سوال ہوتا،تو ایسے موقع پر اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیتے''۔(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف،صفحہ:۴-۵-۶)

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی اس بات پر دلیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا طرز عمل ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا،جس کا حل کتاب وسنت میں موجود نہ ہوتا تو اعیان واکابر صحابہ کو بلا کر مشورہ کرتے اور پھر بعدِ اتفاق فیصلہ صادر فرماتے۔یوں ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسی صورت حال میں پڑجاتے،تومختلف فیہ مسئلہ کے مخبر سے حلف لیا کرتے تھے۔مزید اس بات پر حضرت عمر کا وہ خط،جو قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ایک مسئلہ کے متعلق طریقۂ جواب پوچھنے پر ہے،دال ہے۔

''کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرو،اگر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو توسنت نبوی کے مطابق فیصلہ کرو۔اوراگرکتاب وسنت میں بھی اس کا حل موجود نہ ہوتو اس کا فیصلہ اس طرح کرو،جس طرح نیک لوگوں نے کیا ہو۔اگرکتاب وسنت میں بھی موجود نہ ہو اورصلحائے امت سے بھی اس کا فیصلہ منقول نہ ہو،تواگر چاہوتو فیصلہ کرو اور اگر چاہو تو نہ کرو۔اورفیصلہ نہ کرنا بہتر ہی ہوگا۔والسلام علیکم''۔(سنن نسائی بطریق شعبی)

کم وبیش یہی انداز ہر دور میں دیکھا گیا،خاص کرخلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ کے بعد جب **''خلافت علیٰ منہاج الملوکیت''** رائج ہوئی۔اورخلیفہ کا علم وآگہی سے دور کا واسطہ نہ رہا،تو ایسی صورت میں کئی ائمہ نے خلیفۂ وقت کی مدد فرمائی۔تاکہ مسائلِ فقہیہ پرعمل جاری رہے۔اسی ماحول کی منظرکشی کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''اس وقت تک ایسے علما موجود تھے،جوسابقہ طرز شرائع پر ثابت قدم اوردینِ خالص پر قائم تھے،چنانچہ انھیں خلفا کی طرف سے جب طلب کیا جاتا،تو وہ ان سے دور بھاگتے۔اس وقت کے لوگوں نے علما کی یہ عزت دیکھی کہ حکام سے یہ، اعراض کرتے ہیں اور وہ،اُن کی طرف لپکتے ہیں؛تو یہ دیکھ کر لوگ حصولِ عزت اور طلبِ جاہ کے لیے علم حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے۔چنانچہ فقہا کی شانِ بے نیازی کثیر تعداد میں نیازمندوں کی صف میں کھڑی ہوگئی۔چنانچہ اب جوحضرات اربابِ اختیار سے بے توجہی برتنے کے سبب معزز ومکرم تھے،وہ وقت گزرنے کے ساتھ حکام کی طرف خود متوجہ ہوکر ذلیل وخوار ہونے لگے۔ہاں! سوائے اُن (نفوسِ قدسیہ) کے،کہ توفیقِ الٰہی جن کے شاملِ حال تھی۔(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف)

اسبابِ اختلاف کو اگرمختلف ادوار کے تناظر میں دیکھا جائے اوراس تعلق سے لکھی گئیں کتابوں میں موجود اسبابِ اختلاف پرغور کیا جائے،تو کئی صفحات بھر جائیں گے اوراسباب پر بات مکمل نہ ہوسکے گی،بایں سبب چند اہم اسباب وعلل پر اکتفا کر رہا ہوں۔امید ہے کہ قارئین کے حق میں وہ اسباب سودمند ہوں گے۔

(۱) دلیل سے ناواقفیت:

احادیثِ نبویہ،قرآن کریم کے مبہم ومجمل مضامین کی شارح وتفصیل کرنے والی ہیں۔اور یہ بات طے ہے کہ احادیث نبویہ (پوری کی پوری) تمام علما تک نہیں پہنچ سکی،بعض حصے بعض علما کی واقفیت سے دور رہے،یہاں تک کہ صحابہ کے حق میں بھی یہ

بات پائی گئی، کہ ایک صحابی تک دلیل پہنچی اور دوسرے صحابی کے علم میں نہ رہی۔ یہی
وجہ ہے جو دلیل سے ناواقف رہے، انہیں جب اطلاع ہوتی، تو وہ رجوع کر لیتے۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ
عنہ سے ملاقات کرنے گئے اور حاضری کی اجازت چاہی، تو اجازت نہیں ملی، دوسری
تیسری مرتبہ بھی اجازت نہیں ملی۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر کسی کام میں
مشغول تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ
گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے کام سے فارغ ہوئے، تو فرمایا میں نے
عبداللہ بن قیس (یعنی ابوموسیٰ اشعری) کی آواز سنی تھی، ان کو بلالو، لوگوں نے عرض
کیا: وہ تو واپس چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلوایا۔ جب وہ
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ان سے فرمایا کہ آپ رُکے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی،
پر اجازت نہ ملی تو، میں واپس چلا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
"اذااستاذن احدُکم ثلاثاًفلم یؤذن له فلیرجع"۔

ترجمہ:۔ جب تم میں سے کوئی کسی سے ملنے کی اجازت چاہے اور تین مرتبہ
تک، اس کو اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ کو اس پر بینہ پیش کرنا
ہوگا (کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔) حضرت ابوموسیٰ
اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشاں حال حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک مجلس
میں پہنچے۔ اور ان سے ساری بات ذکر کی، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے کہا کہ ہم میں کا سب سے چھوٹا آدمی آپ کے ساتھ جائے گا۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری اٹھے، اور ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی

فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو، صحیح بخاری: ص:۲۰۶۲، ۶۲۴۵۔ مسلم: ۲۱۵۳) (کہ اگر کوئی آدمی تین
مرتبہ اجازت طلب کرے تو اگر اس کو اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ واپس
لوٹ جائے)۔

بلکہ ایسا بھی ہوا کہ صحابۂ کرام کی ایک پوری جماعت ایسی ملی، جن کے علم میں
ایک مخصوص حدیث نہ تھی، جب انھیں علم ہوا، تو اس پر انھوں نے عمل کیا۔

اس کی دلیل صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے، کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اجمعین جب ملک شام تشریف لائے، تو انھیں علم ہوا کہ، شام میں طاعون کی وبا پھیلی
ہوئی ہے، اب ان کو تردد ہوا کہ، شام میں داخل ہوں یا نہ ہوں، حضرت عمر فاروق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، انھوں نے وبا اور
مرض کے باوجود شام میں داخل ہونے کا مشورہ دیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی
اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں سے مشورہ کیا، تو انھوں نے داخل نہ
ہونے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عجیب تردد میں پڑ گئے، اس کے بعد حضرت
عبدالرحمٰن بن عوف جو کسی ضرورت کے تحت کہیں گئے ہوئے تھے، وہاں پہنچ گئے،
انھوں نے فرمایا: میرے پاس اس بابت ایک حدیث ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: **"اذاسمعتم به بارض فلاتقدمُوا علیه
، واذاوقع بارض وانتم بها، فلاتخرجوا منه فراراً منه"۔**

(صحیح بخاری: ۵۷۲۹، واللفظ لہ: صحیح مسلم: ۲۲۱۹)

ترجمہ:۔ جب تم لوگ طاعون کے متعلق سنو کہ کسی جگہ ہے، تو اس جگہ مت
جاؤ اور جب تم کسی جگہ موجود ہو اور وہاں یہ بیماری آجائے تو اس جگہ سے مت نکلو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت حضرت عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق نکلی، کہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان "شام" میں داخل نہ ہوں، جب
تک وہاں طاعون کی وبا ہے:

تو......**الغرض:** صحابۂ کرام کا یہی حال تھا کہ ایک یا ایک سے زائد احادیث بعض لوگوں کے علم میں نہ ہوتی تھیں، مگر جب کسی کو اُن کا علم ہو جاتا، تو اپنا لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

اسی طرح بعد کے علما اور ائمۂ فقہ کا معاملہ تھا، کہ وہ منصوص علیہ مسائل سے درپیش مسائل کا حل بذریعۂ اجتہاد نکال لیتے ۔لیکن، اگر بعد میں انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ ہمارا اجتہاد غلط ہے اور کسی عالم وفقیہ یا مجتہد کا درست، تو فوراً رجوع کر لیتے اور اسی کو مفتیٰ بہ قرار دے دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کا یہی قول تھا: ''**اذا صح الحدیث فھو مذھبی**'' (یعنی جب کوئی حدیث صحت کے ساتھ ثابت ہو تو وہ میرا مذہب ہے) اور یہ حضرات پیش آمدہ مسائل میں اپنے قول ورائے کو، حدیث کے سامنے ثابت ہونے تک موقوف رکھتے تھے۔

(ب) دلیل کو بھول جانا، یا ذہول وغفلت:

کبھی ایک دلیل کا عالم کو علم تو ہوتا ہے، مگر وہ اس کو بھول جاتا ہے، یا اس کی بابت اسے ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ایک رات حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''**یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا آیۃ کنت انسیتھا من سورۃ کذا وکذا**''۔ (صحیح بخاری: حدیث ۵۰۳۸، واللفظ لہ، وصحیح مسلم حدیث ۷۸۸) یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے! اس نے مجھ کو فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت یاد دلا دی، جس کو میں بھول گیا تھا۔

علمائے جرح وتعدیل کی کتابوں میں ایسی کئی مثالیں ملیں گی، بلکہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام ''**تذکرۃ**

المؤتسی فیمن حدث ونسی'' تالیف فرمائی ہے۔

بھولی ہوئی چیز یاد آجائے تو انسان اس پر عمل کرتا ہے، اس کی کئی مثالوں میں ایک بڑی مشہور مثال حضرت ابومسعود وحذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مدائن کے اندر ایک بلند جگہ پر کھڑے نماز پڑھانے لگے (اور مقتدی سب نیچے تھے) تو حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا کرتا پکڑ کر کھینچا، چنانچہ وہ نیچے آکر مقتدیوں کے برابر جگہ پر کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ کو اس سے منع کیا گیا کہ امام بغیر کسی مجبوری کے مقتدیوں سے اوپر بلند ہو؟ تو انھوں نے فرمایا: خوب معلوم ہے آپ نے جب کرتا کھینچا، تو مجھ کو یاد آگیا۔ (سنن ابی داؤد، حدیث ۵۹۷)

حضرت حذیفہ کا مطلب یہ تھا کہ جب آپ نے مجھے کھینچا، تو مجھے وہ حدیث یاد آگئی ......یعنی آپ وہ حدیث بھولے ہوئے تھے، مگر جیسے ہی آپ کو یاد آئی، آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کی موافقت کی، اور بلند جگہ سے نیچے اتر کر نماز پڑھائی۔

(ج) دلیل کا ثابت نہ ہونا:

ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب ایک عالم تک ایک حدیث پہنچتی ہے، لیکن ان کے نزدیک وہ ثابت نہیں ہوتی (یعنی قابل عمل نہیں ہوتی)۔

کیوں کہ احادیث وآثار کی تصحیح وتضعیف میں بھی علمائے حدیث کا اختلاف رہا ہے۔ نتیجتاً فقہا بھی بعض احکامِ فقہیہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ مثلاً ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ **بے وضو انسان** قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ انھوں نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے۔ ''**لا یمس القرآن الا الطاھر**''۔ **ترجمہ:**۔ قرآن مجید کو پاک آدمی ہی ہاتھ لگائے۔

علمائے حدیث نے مجموعی طور پر اس حدیث کو حسن فرمایا ہے، جو کہ عمرو بن

حزم رضی اللہ عنہ سے (مؤطا امام مالک، ج۱/ص:۱۹۹، ابوداؤد فی المراسیل:۹۲، بیہقی سنن کبریٰ :جلد اول، ص:۸۸) وغیرہ میں مروی ہے۔

ایسے ہی حق تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ''لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' (الواقعہ :۷۹) **ترجمہ:۔** اسے نا چھوئیں مگر باوضو۔ (کنزالایمان)

لیکن عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: ''مطھرون'' سے مراد فرشتے ہیں۔ انس، مجاہد، عکرمہ، سعید ابن جبیر، ضحاک، ابوالشعثا، جابر بن زید، ابونہیک، سدی، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سے یہی مروی ہے؛ لہٰذا یہ حضرات اِس آیت کو اِس بات پر محمول کرتے ہیں کہ اس میں مراد یہ ہے کہ: ''بجز پاک فرشتوں کے کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا''۔ اور کہتے ہیں کہ بے وضو آدمی قرآن مجید کو چھو سکتا ہے۔

اس لیے کہ اِن حضرات کے نزدیک یہ مذکور حدیث ثابت نہیں ہے۔

(تفسیر طبری: جلد ۲۷/۲۰۶ م۔ حلیٰ جلد اول، ص ۸۱)۔

مگر اُن کا یہ قول مردود ہے؛ کیوں کہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''الاتقان فی علوم القرآن ۶/۲۲۴۰'' میں ایک تحقیقی اور فیصلہ کُن بات یوں تحریر کرتے ہیں:

''ہمارا مذہب اور جمہور علما کا یہ مذہب ہے کہ حدثِ اصغر سے یا حدثِ اکبر سے بے وضو ہونے والے شخص، کے لیے قرآن شریف کو چھونا حرام ہے''۔

(د) دلیل کا مقصود پر دلالت نہ کرنا:

نصوص کی دلالت کی دو قسمیں ہیں:

☆**قسم اول:**...... قطعی الدلالۃ:۔ قطعی الدلالۃ نصوص وہ کہلاتی ہیں، جو صرف ایک معنی پر مشتمل ہوں، اور ان کے اندر دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو۔ جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ'' (سورۂ نساء، آیت ۱۲)

ترجمہ:۔ اور تمھاری بی بیاں جو چھوڑ جائیں اُس میں سے تمھیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ (کنزالایمان)

یہ آیت ایسی ہے کہ اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں دو آدمی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کر سکتے، اس لیے کہ نصف کا لفظ سب کے نزدیک معروف ہے، اس لیے علما اس آیت کی دلالت و معنی پر متفق ہیں۔

☆**قسم دوم:**۔ ظنی الدلالۃ:۔ ظنی الدلالۃ نص وہ ہوتی ہے جس میں ایک سے زائد معنی کا احتمال موجود ہو۔ اگرچہ ان معانی میں بعض دوسرے کے مقابلے زیادہ ظاہر و باہر ہوں۔ اس کی معروف ترین مثالوں میں سے ایک حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ'' (البقرہ۔۲۲۸)

ترجمہ:۔ اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

(کنزالایمان)

یعنی مطلقہ کی عدت تین قروء ہے، لیکن قروء کے معنی میں علما کا اختلاف ہے، خصوصاً ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے، کیونکہ اگر قروء کا معنی طہر لیا جائے تو لفظ ثلاثہ کے خصوص پر عمل نہیں ہوگا۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قروء کا معنی طہر ہے۔ کیوں کہ'' ثلاثۃ'' عربی قاعدہ کے حساب سے عدد مؤنث ہے؛ چنانچہ اس کا معدود مذکر ہونا چاہئے جو کہ طہر ہے۔

مختصر یہ ہے کہ لفظ قروء اضداد میں سے ہے، طہر اور حیض دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی ایک معنی پر اس کی دلالت ظنی الدلالۃ ہوگی۔

(ہ) راجح معارض کا پایا جانا: کبھی حکم کا تقاضا کرنے والی دلیل ثابت ہوتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ دوسری بھی اس کی معارض دلیل موجود ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں دو مختلف مفہوم کی دلیلیں ترجیح کی بنا پر محلِ اختلاف ہو جاتی ہیں۔ اس مسئلہ میں دو متعارض

حدیثیں موجود ومشہور ہیں:ایک حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ:ایک آدمی نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگائے تو کیا اس کو وضو کرنا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''وہ تمہارے بدن وجسم کا ایک ٹکڑا وحصہ ہی تو ہے''(مؤطا احمد: ۱۶۳۲،ابوداؤد:۱۸۲)یعنی جیسے تم اپنے پیر،ناک ،کان کو ہاتھ لگاؤ تو وضو نہیں،اسی طرح اس صورت میں بھی وضو واجب نہیں ہے۔

دوسری حدیث بسرہ بنت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے،انھوں نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے۔''من مس ذکرہ فلیتوضا''**ترجمہ:۔**جس نے اپنے عضو کو چھولیا،تو اسے چاہیئے کہ وہ وضو کرے۔

(مؤطا احمد:۲۷۳۴۴،ابوداؤد:۱۸۲،نسائی:۴۴۷،ترمذی ۸۲)

(و) خواہش نفس وتعصب:

یہ ایسا سبب ہے جو اختلاف کو مذموم کی طرف لے جاتا ہے۔خیال رہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر اختلاف کرنے والا،خواہشِ نفس کا متبع ہوتا ہے، بلکہ علما کا اختلاف تو مذکورہ اسباب اختلاف کی وجہ سے ہی ہوا ہے،البتہ کبھی کبھی علم وفقہ سے نسبت رکھنے والے بعض لوگ تعصب اور خواہشِ نفس کی بنیاد پر بھی بعض وہ باتیں کہہ جاتے ہیں، جو اختلاف کے اصول وآداب نیز اس کے اخلاقیات کی دھجیاں اڑادیتی ہیں۔کبھی تو یہ اختلاف صحیح بنیادوں پر ہوتا ہے مگر اس کا اسلوب تعصب میں ڈوبا ہوتا ہے؛تو کبھی یہ اختلاف محض نفس اختلاف کی جامعیت سے ہٹ کر تعصب وانانیت میں رنگ برنگ ہوجاتا ہے۔نتیجتاً دلیل میں ضعف کے باوجود فریقِ مخالف کی قوی دلیل تسلیم نہیں ہو پاتی ہے،جس کا اثر اختلاف کرنے والے مفتی یا جماعت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس طرح سے بعد میں یہ اختلاف شخصیت پرستی کے جال میں اُلجھ جاتا ہے۔

اس سبب کو اپنانے والوں نے ہی دین کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں،جنھوں نے اپنے ہم نواؤں کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کیے

اور مخالفین کے ساتھ کینہ پروری پر اتر آئے۔

(ز) ذہانت وتشخص کا فرق:بعض علما ایسے صفات کے بھی حامل ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ذہانت کی قوت،فہم وادراک کی پختگی نیز عقل کی وسعت ہوتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ اس کے ساتھ شخصی وذاتی پہچان بھی ہوتی ہے،جس کی بناپر یہ گنجائش ہوجاتی ہے کہ وہ بہت سے مسائل میں دوسروں سے اختلاف رائے رکھیں۔جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت سے ایسی چیزیں منقول ہیں،جن میں انھوں نے بعض صحابہ سے اختلاف رائے کیا۔کیونکہ اللہ رب العزۃ نے انھیں عقل وفہم کی خاص صلاحیت وطاقت عطا کی تھی نیز ان کا تشخص بھی ایک خاص صلاحیت کا حامل تھا۔

اگر جدید مسائل وقضایا کے تناظر میں دیکھا جائے تو بسا اوقات بعض علما اور صاحبانِ افتا کسی جدید مسئلے میں اپنی خاص رائے یا قول رکھتے ہیں۔مگر اس کے نتائج وعواقب کے خوف سے اپنی رائے محض دل کے تہہ خانے میں رکھتے ہیں اور ظاہر نہیں کر پاتے ہیں۔جب کہ بعض علما بلا لومتِ لائم اپنی رائے سب کے سامنے رکھنے سے نہیں ہچکچاتے،انھیں اپنی فہم وعقل کے ساتھ ساتھ اپنے تشخص پر بھی اعتماد رہتا ہے۔اور کچھ تو وہ ہیں،جو اپنی کم عقلی یا ذاتی استطاعت کی وجہ سے جدید مسائل وقضایا میں زور آزمائی سے باز رہتے ہیں۔بلکہ ایسے معاملات کو وہ برداشت بھی نہیں کر پاتے۔

(ح) مَبلغِ علم کا فرق:۔علم کی کمی اور زیادتی بھی اختلاف کا ایک سبب ہوتا ہے۔یہ اس عتبار سے بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا علم کم اور دوسرے کا زیادہ ہے۔ اور اس نسبت سے بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی کسی زمانہ میں کم علم اور دوسرے زمانے میں زیادہ علم والا ہوتا ہے،جو کثرتِ مطالعہ،عرق ریزی اور تحقیقات سے زیادتی علم کا حامل ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ماضی میں بیان کی ہوئی اپنی رائے یا قول سے بعد

میں رجوع بھی کر لیتا ہے یا نظرِ ثانی کر کے اپنے فتویٰ کو بھی بدل دیتا ہے۔اور ایسا اکثر ہوا ہے، ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔سوائے اس مفتی یا عالم کے، جو تعصب وانانیت کی عینک لگا کر حق سے چشم پوشی کرتا ہے۔

(۴) دلیل کی صحت میں بایں طور اختلاف کہ ایک فریق اسے قابلِ استدلال سمجھتا ہو، جب کہ دوسرا نا قابل احتجاج گردانتا ہو۔مثلاً:

ایک حدیث ایسی ہو کہ بعض ائمۂ حدیث اسے صحت وثبوت کا درجہ دیتے ہوں اور دوسرے اسی حدیث کو صحیح وثابت نہ مانتے ہوں۔جیسا کہ رکوع میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت والی حدیث، امام مسلم کے نزدیک صحیح ہے، لیکن امام بخاری کی نگاہ میں غیر معتبر۔اس لیے وہ، رکوع میں قرآن حکیم پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

نیز اختلاف کی وجہ صرف بعض حدیث کی صحت وثبوت اور عدم صحت وثبوت ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے متعدد اسباب ہیں۔انہیں میں سے ایک یہ ہے ''کہ ایک حدیث میں متعدد مفہوم کی گنجائش کا ہونا''۔جیسا کہ ایک حدیث ہے:

''البائعان بالخیار ما لم یتفرقا ''یعنی بائع اور مشتری جب تک الگ نہ ہو جائیں، اس وقت تک دونوں کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو ختم کر دیں۔

اب اس حدیث میں الگ ہونے سے مراد جسمانی اعتبار سے الگ ہونا اور غیر متحد ہونا ہے یا قولی اعتبار سے دونوں کا الگ ہونا اور مجلسِ بیع سے ہٹ جانا ہے۔تو امام مالک جیسے محدث اور فقیہ نے اسی دوسرے مفہوم کو اختیار کیا ہے اور یہی رائے امام اعظم ابوحنیفہ کی بھی ہے۔اس کے برخلاف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے پہلے مفہوم کو ترجیح دی ہے۔

(۵) ائمہ اصول کے ضابطہ کا متفرق ہونا۔مثلاً:

''حنفیہ کا اپنا یہ اصل وقاعدہ ہے کہ ''کسی چیز کا حکم اس کے اثر کے تابع ہوتا ہے''یعنی اگر اثر موجود ہو، تو حکم بھی موجود ہوتا ہے اور اگر اثر موجود نہ ہو تو حکم بھی نہیں

پایا جاتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اثر موجود ہے، تو یہ اِس امر کی علامت ہے کہ وہ شی بھی موجود ہے۔مگر شافعیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔وہ کہتے ہیں کہ ''حکم کسی چیز کی اصل کے تابع ہوتا ہے، اس کے اثر کے نہیں''۔............اب اِس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک عورت کے ساتھ اُس کی بہن کی عدت میں نکاح کرے، اور اس کی بہن کو اس نے بائنہ طلاق دی ہو تو کیا یہ نکاح درست ہوگا کہ نہیں؟

چنانچہ شافعیہ اس نکاح کو درست تصور کرتے ہیں۔اس لیے کہ حرام صرف یہ چیز ہے کہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا جائے۔اور پھر یہ کہ اُن دونوں سے مجامعت کی جائے۔اور یہ بات، اِس صورت میں موجود نہیں۔مگر حنفیہ اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔اس لیے کہ عدت، احکامِ نکاح کے آثار میں سے ہے۔لہٰذا اثر کو وہی حکم دیا گیا ہے، جو اصل کو حاصل ہے۔اور وہ ہے دونوں سے بیک وقت نکاح کرنے کی ممانعت''۔

علما کے باہمی اختلافات کے یہ چند اسباب ہیں۔ان اسباب کے علاوہ اور مزید بھی ہو سکتے ہیں۔بہر حال! ان کا حاصل یہی نکلتا ہے ارکانِ دین اور قواعد ملت میں علمائے امت کے مابین اختلاف کبھی پیدا نہیں ہوا۔یہ جب بھی رونما ہوا تو، فروعاتِ دین میں ہوا۔تو جب صورتِ حال یہ ہے......تو علما ومجتہدین وصاحبانِ افتا بھی تو آخر انسان غیر معصوم ہی تھے۔ان سے نتیجہ اخذ کرنے، استنباطِ مسائل اور نظر وفکر میں اختلاف کا رونما ہونا کچھ بھی محلِ حیرت نہیں۔خصوصاً اس لیے کہ علومِ شرعیہ کے اسرار ومعانی، نصوص نازلہ کے ظروف واحوال کی معرفت اور دینی علوم کے فہم وادراک میں سب علما کا درجہ، یکساں نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے استنباطِ مسائل میں ان کے یہاں اختلاف کا جنم لینا، نہ تو محلِ استعجاب ہے اور نہ ہی اس سے شریعتِ اسلامیہ کا محلِ طعن بننا لازم آتا ہے۔

اور وضعی قوانین میں تو خلاف ونزاع کی گنجائش اس لیے ہوتی ہے کہ وہ،

انسانی ذہن کے اختراع کردہ ہوتے ہیں ۔اور ظاہر ہے کہ بنی نوع انسان اپنے عصر وعہد،ضعف واحوال،مصالح ومضرات اور اپنی تہذیب وثقافت سے متأثر ہوتے ہیں،اس لیے ان میں اختلاف کا بھی پیدا ہونا ایک طبعی وفطری امر ہے۔مگر یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جس اختلاف کی شارع نے امت کو صراحۃً دلالۃً یا اشارۃً کسی بھی طرح اجازت دی ہو اور ان کے نفع رساں پہلوؤں سے بھی کلیۃً باخبر ہو اور ان کو ضرر پہونچانے والے امور سے بھی کما حقہ آشنا ہو،اُن کی تبلیغ وتعلیم شدہ شریعت،ان نقائص وعیوب سے داغ دار کیسے ہوسکتی ہے؟

اس لیے ہمیں پتہ چلا کہ ہمیں اختلاف کی اجازت تو ہے؛مگر صرف اختلافِ محمود کی ہے نہ کہ مذموم کی ۔کیوں کہ مذموم اختلاف از روئے شرع وشارع ،ممنوع ہے۔مگر محمود اختلاف ،چونکہ ایک ضروری اور ناگزیر چیز ہے ؛اس لیے یہ اپنوں اور اغیار سب کی جانب سے ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:”وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ“(سورۂ ہود،آیت ۱۱۸)

ترجمہ:۔اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔(کنزالایمان)

لہٰذا اختلاف سے مطلقاً گھبرانا نہیں چاہیے ،بشرطیکہ اختلاف شرعی حدود واقدار اور اپنے ضابطے کے مطابق ہو۔

قارئین کا دونوں طرح کے اختلاف (محمود ومذموم) کے فوائد ونقصانات سے آگاہ رہنا ضروری ہے،تاکہ اس سے واقفیت کے بعد قدمِ اختلاف محتاط رہے۔

اختلافاتِ قبیحہ کی مذمت اور اُن کے نقصانات

اس اختلاف کے ضمن میں جتنی باتیں اب تک ہم نے پیش کی ہیں ،تاریخ گواہ ہے کہ اُن کے، ملتِ اسلامیہ پر بہت برے نتائج ظہور پذیر ہوئے ۔اور ان اختلافات نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کر کے ان کو نئے نئے فتنوں

اور مشکلات سے دوچار کیا: حالاں کہ وہ ان سے بے نیاز تھے۔جب کہ ہمارے سلف صالحین ،اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کو معذور تصور کرتے تھے اور ان میں باہم الفت ومحبت ،چشم پوشی ،قربت اور عجز وانکسار کے اوصاف پائے جاتے تھے اور وہ دوسروں کے علم وفضل کا اعتراف بھی کیا کرتے تھے۔

لیکن اختلاف، جب تعصب وتفرقہ بازی کا موجب بن جائے، تو وہی اختلاف مذموم ہے؛ جس کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے۔اسی لیے تو جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ وہ سفر میں قصر نہیں کرتے۔ مگر اس کے باوجود آپ ان کی اقتدا میں چار رکعت فرض ادا کرتے ہیں؟اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:”**اختلاف کیسا بھی ہو برا ہے**“۔(ابوداؤد، ومسند احمد) اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ:”**میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں**“۔

یہ اسی نوع (مذموم) کے اختلاف کا نتیجہ ہے کہ لوگ فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہوگئے، جس کی حد یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی مسجد میں کئی محرابیں بنالیں۔اور ہر کوئی ایک دوسرے پر انگشت نمائی کرنے کو کامیابی تصور کرتا ہے۔بلاشبہ یہ ناپسندیدہ تعصب کے عجائبات میں سے ہے۔اسی تفرقہ بازی کی مذمت کو **امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ** کی زبانی سنیے۔

”ملت اسلامیہ کو اس تفرقہ بازی نے جو نقصان پہونچایا، وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ عصر حاضر میں مسلمان کمزور ہوگئے، ان کی سلطنت جاتی رہی، اغیار ان کے دیار وبلاد پر قابض ہوگئے اور ان میں نفرت وحقارت کے احساسات ابھر آئے۔یہ جملہ امور اس بات کے متقاضی ہیں کہ اس تفرقہ بازی کے نقصانات کی تلافی کی جائے اور امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لیے کام کیا جائے“۔(القسطاس المستقیم)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ باتیں کب کی ہیں ؟اور اُس وقت اختلاف کا دائرہ آج کے مقابلے میں کتنا کم تھا؟ یہ قارئین پر مخفی نہیں ۔اس کے باوجود اس اختلاف کے کتنے بُرے نتائج سامنے آئے،اس کو آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

میں تو یہ مانتا ہوں کہ یہ باتیں اس وقت اپنے اول مرحلہ میں ہوں گی ، مگراب تو بدرجۂ اتم اپنے آخری مرحلہ میں آ گئی ہیں ۔لہٰذا ہم پر اپنی اصلاح کے لیے کتنا کم وقت رہ گیا ہے،غور کریں ۔!!!

اختلافاتِ ممدوحہ کی مدحت اور ان کے فوائد

(۱) اختلافِ ممدوح کے ذریعہ،انسان مذاہب کے اصول واساسیات سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اختلاف میں علما کا طرز وانداز کیا ہونا چاہیے۔

(۲) اسبابِ اختلاف کا مبتلا بہ شخص طرقِ استنباط کا عادی ہوجاتا ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ احکام کا استخراج کہاں سے کیا جاسکتا ہے۔اور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اختلافِ محمود کے جاننے سے پتہ چلتا ہے کہ احکامِ متعارضہ کو کتاب و سنت میں کیا مرتبہ ومقام حاصل ہے۔اور ان میں سے کون اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

(۴) نیز یہ کہ آیا ان میں پایا جانے والا اختلاف حقیقی ہے ؟ جس کا تعلق اصول وقواعد سے ہے اور وہ اس اعتبار سے قابل قبول ہے؟ یا یہ کہ اصول میں اتفاق واتحاد پایا جاتا ہے اس لیے یہ اختلاف بے معنی ہے۔

(۵) اسی طرح جب مجتہد ومفتی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ احکامِ متعارضہ کو کتاب

اللہ کے ساتھ کیا نسبت ہے، تو مجتہد ومفتی ان کی دلیل اور سببِ اختلاف سے آگاہ ہو کر بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے پاتا ہے۔اسی لیے **علامہ شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ** فرماتے ہیں:

''جو شخص مواضعِ اختلاف سے آگاہ نہ ہو،وہ اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں کرسکتا''۔اور **حضرت قتادہ** سے منقول ہے، انہوں نے کہا: **''جو شخص اختلاف سے آشنا نہیں وہ فقہ کا ابجد شناس بھی نہیں''**۔

اور **امام مالک** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''فتویٰ دینے کا مجاز صرف وہ شخص ہے، جو اختلافی مسائل سے آگاہ ہو''۔

(الموافقات جلد۴،ص:۱۶۰)

اور اس کا عوام کے لیے فائدہ یہ ہے کہ ان کے سامنے پیچیدہ اور لاینحل مسائل، کھل کر سامنے آجاتے ہیں ۔اور پھر وہ بآسانی ان پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں اور اس طرح سے وہ اپنے جذبۂ دینی میں تقویت لے آتے ہیں۔

☆☆☆☆

دورِ حاضر میں مذموم اختلاف سے بچنے کا مختصر دستور العمل

(۱) اختلافِ رائے کی صورت میں ہمیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس پہلو سے یہ بات انتہائی اہم وضروری ہے کہ ایک عالم کو ہمیشہ تحقیق وتدقیق، بحث وجستجو، نیز دلائل وبراہین کا حریص ہونا چاہیے۔ کیوں کہ عالم یا مفتی، متبوع ومطاع ہوتا ہے۔ (لوگ اسی کو دیکھ کر اپنی راہ طے کرتے ہیں)۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ''جب عالم پھسلتا ہے تو پورا عالم پھسل جاتا ہے۔ اس کی لغزش، جاہل کی لغزش کی طرح نہیں ہوتی؛ جو لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہے اور پھر، اس کا کوئی تذکرہ وچرچہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا علما اور اربابِ افتا اور طالبانِ علوم، سب پر لازم ہے کہ اپنے اقوال وآراء میں انتہائی دقت نظر سے کام لیں نیز دلائل وبراہین میں خوب غور وفکر کریں۔ اور جب تک ذاتی طور پر مکمل اطمینان نہ ہو، کوئی بات نہ کہیں۔ یہ دور ٹیلویژن اور موبائل کا ہے اور یہ بارہا دیکھا جاتا ہے کہ: بعض علما ٹیلویژن پر براہ راست نشر کیے جانے والے پروگراموں میں مسائل پر گفتگو کرتے ہیں اور جب براہِ راست اُن پر سوالات کی بوچھار ہوتی ہے، تو وہ حیران ہو جاتے ہیں۔ خاص کر اُن مسائل میں، جن کا انہیں کما حقہ علم نہیں ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اُن کا یہ بھی کہنا کہ **''میں نہیں جانتا'' یا ''اللہ کو بہتر پتہ ہے''** بہت دشوار اور گراں گزرتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ **''میں اس کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا''**۔ یہ کہنا بھی انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

نتیجتاً جان چھڑانے کے لیے یا تو احتیاط کی راہ اختیار کرتے ہیں یا ممانعت کی۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اسی میں بھلائی ہے اور یہی راہِ اعتدال ہے۔ اور انہیں

اس کی بالکل ہی پرواہ نہیں ہوتی کہ ٹیلی ویژن پر اُن کے اِس طرزِ عمل سے دین اسلام کے مخالفین پر یا پھر سائل ہی پر کیا اثر پڑ رہا ہے اور ہمارے دینِ متین کو تقویت مل رہی ہے یا مضحکہ بنایا جا رہا ہے!

ایسے اشخاص کے بارے میں تو، میری یہی رائے ہے کہ وہ ٹیلی ویژن پر مسلمانوں کے رہنما کی حیثیت سے قطعاً نہ جائیں۔ اسی میں ان کی اور اسلام ومسلمین کی بھلائی مضمر ہے۔ کیوں کہ ان کے اس طرزِ عمل اور جہالت کو لوگ، اُن کا ذاتی طرزِ عمل اور ذاتی نقص نہیں سمجھتے۔ بلکہ، مسلمانوں کے مذہبی لیڈر ہونے کی حیثیت سے اسلام ومسلمین اور ان کے مسائل کو ہی غلط ٹھہرانے لگتے ہیں اور انھیں اس کا موقع مل جاتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کسی ایسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے، جس کے جواز کا علما فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں۔ لیکن جن سے سوال کیا جاتا ہے، اسے اس کا اور اس کی دلیل کا علم نہیں ہوتا، یا نفسِ فتویٰ کا ہی علم نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اپنی جانب سے یہ کہہ دیتا ہے کہ ممنوع یا حرام ہونا چاہیے۔ اور اپنی دی ہوئی اس رائے پر حد درجہ شدت اختیار کر لیتا ہے اور ایسی تاویلات کرنے لگتا ہے، جو درست نہیں ہوتیں۔

حالانکہ اس قسم کا آدمی جس سے برملا سوالات کیے جاتے ہیں، اگر کچھ توقف سے کام لے، تو ممکن ہے کہ حرج وتنگی نیز بے جا حرمت وحلت کا قول کرنے یا درشتی وہٹ دھرمی کے بغیر بھی اپنا مقصود حاصل کر لے۔

کچھ حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں، جنہیں اس طرح کے ٹی وی وغیرہ کی براہ راست نشریات کے علاوہ مجمعِ عام میں بھی سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو اگر ان کے پاس اُس وقت، ان سوالات کے جوابات نہیں ہوتے...... یا ہوتے ہیں، مگر چوں کہ وہاں غور وفکر کرنے کا موقع نہیں رہتا ہے، اس لیے اُن حالات میں بسا اوقات **مسئول عنہ** اُن چیزوں کی حلت کا فتویٰ دیتا ہے، جو صراحۃً حرام ہوتے ہیں یا شرعی حکم

کے برعکس ہوتے ہیں۔اس کی وجہ قلتِ وقت بھی ہے، جس نے انہیں سوچنے کا موقع نہ دیا۔نتیجتاً جب بات زبان سے نکل جاتی ہے، تو اسی پر قائم رہنا چاہتے ہیں اور اپنے خود ساختہ موقف کی تصویب میں دلائل و براہین تلاش کرنے لگتے ہیں۔ جب کہ قدرے تحمل سے کام لیتے، تو عزتِ نفس کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حسنِ عاقبت کی بھی راہ نکل آتی۔

لیکن کیا کریں! ہر کسی کو علوِ شان کا حامل بننے کی فکر ہے، تحفظِ شریعت کی نہیں۔اور ہمارے اسی طرح کے طرزِ عمل کی وجہ سے آج ہمارے متفق اور مجمع علیہ مسائل پہ بھی اغیار کے حملے ہو رہے ہیں، جس کے ذمہ دار صرف ہم ہیں۔ کیوں کہ ہم نے ہی انہیں اپنے نجی مسائل میں اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے دخل اندازی کا موقع دیا۔اب چاہے، وہ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہو یا حجابِ نسواں کا۔ یا کوئی اور مسئلہ ہو۔

بہر حال: مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہوا کہ فقیہ و مفتی، عالم دین و طالب علمِ متین کو تحقیق واطمینان، غور و فکر نیز دلائل و براہین کی تلاش کے ساتھ ساتھ اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور خاص کر، برملا وارد ہونے والے سوالات میں جواباً، ایسا اندازِ بیان اختیار کرنا چاہیے، جو عام فہم ہو؛ تا کہ عوام کے مابین ذکر کیے ہوئے مسئلہ میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے۔

(۲) کسی کے لیے، خواہ وہ اہل علم میں سے کیوں نہ ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسئلہ میں کسی مرجحِ شرعی کے بغیر ترجیح کی بات کرے۔ مثلاً: کوئی ایک قول کو دوسرے کے مقابلہ میں محض اس وجہ سے ترجیح دے کہ اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے۔اور فلاں نے یہ موقف اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ قول راجح ومختار کو اپنانے کا حکم ہے۔

واضح رہے کہ فروعی مسائل میں علما کے مابین بہت اختلاف ہیں۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی وجہ سے کسی ایک قول کو اختیار کرنا یا ترجیح دینا ہر کسی کے لیے درست ہو، بلکہ ترجیح دلائل، نیز صحیح شرعی امور و قرائن کی بنیاد پر ہوتی ہے۔اور یہ حق

صرف ماہرینِ شریعت کو حاصل ہیں، جو اجتہادی قوت رکھتے ہیں اور دلائل کی بنیاد پر کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جنہیں اصطلاحِ اصول فقہ و رسم افتا میں **''اصحاب ترجیح''** کہتے ہیں۔

بعض لوگ بعض اقوال کو محض خواہشات کی بنیاد پر یا شخصی رغبت و دلچسپی کی بنیاد پر اپنا لیتے ہیں؛ یہ بالکل درست نہیں ہے۔

(۳) مسائلِ فقہیہ فرعیہ میں علما کے درمیان اختلاف پر ان کے حق میں انکار و نکیر کا دروازہ نہ کھولا جائے، بلکہ ''ظنوا المؤمنین خیراً'' کے تحت حسنِ ظن رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو معذور سمجھا جائے۔ نیز ہر ایک کو اپنا موقف بیان کرنے کی گنجائش دی جائے۔ اگر چہ موافقت نہ کی جائے۔

خاص کر ایسے موقع پر جب، کوئی دلیلِ قطعی موجود نہ ہو، تو کسی کے لیے اختلاف میں حد سے تجاوز کر کے اپنے فریقِ مخالف پر فسق والحاد، ضلالت وگمراہی کا تیر نہیں چلانا چاہیے۔ اور تنگ نظری اور تحقیر جیسے مذموم حرکت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

مجتہد فیہ مسائل میں کسی پر طعن جائز نہیں، چہ جائے کہ اسے کافر سمجھا جائے، **اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت** کی زبانِ مبارک سے سنیئے:

''حلال کو حرام یا حرام کو حلال، جو کفر کہا گیا ہے کہ: وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، یا کم از کم نصوص قطعیہ سے ثابت ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد: ۱۱، ص: ۴۴، مسائل کلامیہ، رضا اکیڈمی)

حضرت یحییٰ بن سعید انصاری **تذکرۃ الحفاظ** میں فرماتے ہیں کہ:

''اہل علم توسع والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور اربابِ افتا میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہا، ایک حلال تو دوسرا حرام کہتا رہا، لیکن کسی نے ایک دوسرے پر کوئی عیب نہیں لگایا''۔ (تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱، ص ۱۳۹)

مختصر یہ کہ اختلافی مجتہد فیہ مسائل میں اعتدال کی راہ یہی ہے کہ جانبین میں سے

کسی کی تضلیل وتفسیق نہ کی جائے۔اور مسائل فقہیہ میں نفس وہوا نیز شخصیت پرستی سے دور ہوکر دلائل وبراہین کی بنیاد پر کسی موقف کواپنایا جائے۔مسالکِ فقہیہ میں اپنے مسلک کو نہ چھوڑا جائے، بلکہ اس پرسختی سے قائم رہے؛الا یہ کہ کوئی ضرورت شرعیہ متحقق ہو۔

اختلاف مذموم سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان امور کے نقائص کو بھی اپنے اندر جگہ نہ دیں۔

(۴) مصلحت اندیشی سے تہی دستی: یہ خرابی آج کل خوب برگ وبار لا رہی ہے۔کوئی دینی وعلمی خدمت کی جائے تو اس میں بھی دنیاوی مصالح پیش نظر رہتے ہیں۔اس خرابی کی بنیاد دنیا کا حصول ہے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہوگئی ہیں۔

(۵) اپنی رائے پر جمود واصرار: یعنی اپنی بات کو صحیح وصواب، قطعی ویقینی سمجھنا اور دوسروں کی بات کو لائق التفات واعتنا نہ سمجھنا، اور یہ یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل ہے۔یہ اعجاب بالرائے کی خرابی ہے۔جو ہماری جماعت میں بدقسمتی سے جگہ پکڑ چکی ہے۔اپنا موقف بیان ہوگیا اب دوسرے کی سننا گوارا نہیں کرتی، جب کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے ہی صحیح ہو یا اسی درجے میں پایۂ صحت میں لئے ہو، یا نزاعِ لفظی ہو۔اور صرف تعبیر یا عنوان کا فرق ہو یا ''الاھم فالاھم'' والا معاملہ ہو۔

(۶) ہر دلعزیزی کی خرابی: یعنی جو بات کہی جائے اس میں یہ خیال کرنا کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اور خصوصاً اپنے ہم نواؤں کی محبت کا خاص خیال ہو، اس خرابی کی اساس حُبِّ جاہ ہے۔جو بات حق ہوگی، وہ کڑوی ہوگی، حق بات کہنے میں کسی کی دوستی یا دشمنی کا لحاظ حق سے دور آدمی کو لے جاتا ہے۔

(۷) سوئے ظن وسوئے فہم کی خرابی: یعنی یہ خیال کہ ہم ہی ہر طرح خیر پر ہیں۔اور ہماری نیت خیر ہے اور باقی وہ تمام افراد جو ہم سے اتفاق نہیں رکھتے،

سب خودغرض وباطل پر ہیں۔

(۸) بہتان طرازی کی خرابی: یعنی مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا اوران کی طرف گھناؤنی بے جا باتیں منسوب کرنا۔اور اگر اس کے پاس کسی مخالف کی کوئی نالائق بات روایت کی گئی تو فوراً بلاتحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا۔

(۹) جذبۂ انتقام کی خرابی: یعنی کسی شخص کو کسی شخص سے علمی عداوت ونفرت یا بدگمانی ہو، تو موقع کی تلاش میں رہنا کہ اس کی کسی طرح مذمت اور کھلے عام تحقیر کی جائے۔

(۱۰) حب شہرت کی خرابی: یعنی فریقین میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہو کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفریں کے نعرے بلند ہوں۔درحقیقت یہ خرابی اخلاص کی کمی اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے پیدا ہوتی ہے۔اور اس کے حصول کے لیے عوام وخواص میں انتہائی درجے کی ڈینگیں مارنا اور اس میں اشتہائے شہرت کا جذبہ لیے پھرنا وغیرہ۔

(۱۱) گروہ بندی وافتراق سے پرہیز: یعنی طبقوں میں بٹ کر انتشار اور افتراق کا سبب بننا۔وغیرہ وغیرہ۔

اب قارئین ہی یہ فیصلہ کریں کہ اگر ان مذموم حرکتوں کے حامل اشخاص دینِ متین کے رہبر قرار پائیں، تو دینِ متین کھلونا بنے گا کہ نہیں؟ ایسے ماحول میں ہر فرد اپنی عقل نارسا کو حرفِ آخر گردانے گا کہ نہیں؟ اور پھر اس مضحکہ خیز صورت حال میں سوائے ہنگامہ آرائی کے اور کیا ہوگا؟

اس لیے شرعی مسائل میں اختلاف کا حق تو ان ہستیوں کو ہے، جو ان مذکورہ اختلافات کے غیر مناسب صفات سے متصف نہ ہوں، جن کے دل اخلاص وللّٰہیت، خیر خواہی اور خدمتِ دینِ متین کے جذبے سے سرشار ہوں۔

☆☆☆☆

گفتگو کا ما حصل

اختلاف اور اس کے اسباب وعلل اور ہر دور میں اس کی تصویر بیان کرنے کے بعد اب ہم اخیر میں اختلاف کے بارے میں اپنی نظر وفکر کا ماحصل بیان کرنا چاہتے ہیں۔

شکل وصورت ،قد وقامت ،زبان وبیان اور رنگ ونسل کے اختلاف کی طرح ،عقل وفکر اور طبیعت ومیلان کا اختلاف ایک حقیقت ہے ،جس کی وجہ سے فقہی وعلمی احکام ومسائل میں اختلاف ایک فطری عمل ہے ،جسے نہ ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے بچ کر رہا جا سکتا ہے۔تو اس میں کوئی شک نہیں کہ رائے میں اختلاف سلف صالحین کے یہاں بھی موجود تھا۔مگر اس کے ساتھ ان میں تعصب ،فرقہ بندی اور اصل دین وکتاب وسنت سے دوری ومہجوری کے جذبات ہرگز موجود نہ تھے۔وہ محض اجتہادی رائے پر مبنی اختلاف تھا۔جس میں خطا وصواب دونوں صورتوں میں اجر وثواب کی امید تھی جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول حدیث ،کہ مصیب کو دو اجر اور غیر مصیب کو ایک اجر ملتا ہے ،اس بات پر دال ہے۔

نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی حدود میں رہ کر آزادئ رائے کو شروع سے ہی فروغ دیا جس کی مثال یہ واقعہ ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت **ابو السنابل** رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **سبیعہ اسلمیہ** کے متعلق یہ فتویٰ دیا تھا کہ وہ " **ابعد الاجلین** " (عدت وفات اور وضع حمل میں سے جو بعید تر ہو ،وہ) عدت گزارے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے انھیں آگاہ کیا کہ اس کی عدت ، وضعِ حمل ہے۔اور ان کی خطا پر ان کو کچھ نہ کہا۔یہ حدیث بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

صحابۂ کرام سے اس طرح کی اجتہادی خطا سرزد ہوئی ؛مگر من جانبِ شارع

ان کی مذمت نہ فرمائی گئی۔غور فرمائیں کہ جب حیاتِ نبوی میں ایسا ممکن ہے ،تو آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اس کے امکانات اور بھی زیادہ ہیں۔مگر اس کے ساتھ ساتھ صحابیٔ رسول کا یہ بھی طرز عمل قابل غور ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت اس امر کی تشریح کرتے تھے کہ "اگر یہ غلط ہوا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اگر درست ہے تو اس کی توفیق مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے ملی"۔

صحابۂ کرام کے بعد جو صاحبِ تقویٰ ائمۂ عظام اس دار فانی میں تشریف لائے ان کا بھی یہی حال تھا۔اجتہاد ہو یا اختلاف ان کا مطمح نظر محض حق کی طلب ہی رہا۔عصبیت وعناد سے تو وہ کوسوں دور اور شہرت وغیرہ سے نفور تھے۔جب بھی حق کا درخشندہ چہرہ انھیں نظر آ جاتا ،تو اس کی طرف لپک جاتے اور اس کا دامن تھام لیتے اور اپنی رائے کو خیر آباد کہہ دیتے۔اس لیے اہلِ علم کو اختلاف سے گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ ہی اس کے درپردہ افتراق وانتشار کی فضا پیدا کرنی چاہیے ،نیز یہ امت پر لازم ہے کہ دین وشریعت کا دامن تھامے رکھے اور ہر نزاع وخلاف کے وقت دلائلِ شرعیہ کی طرف رجوع کرے ؛خصوصاً کتاب وسنت کی طرف ،کہ قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا: "**فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول**"۔

ترجمہ: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔(کنز الایمان)

کیوں کہ پوری کائنات میں فلاح ونجات اگر کسی چیز میں ہے تو وہ شریعت وسنت کی پیروی میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اسی وقت گمراہی سے ہمکنار ہوئے ،اسی وقت مغلوب ہوئے ،ان کا رعب جاتا رہا اور ان کی ہوا اکھڑ گئی ،جب انہوں نے شریعت کی پیروی چھوڑ کر ہوائے نفس کی پیروی شروع کر دی ،اور اختلاف وانتشار کا ایسا شکار ہوئے کہ **الامان و الحفیظ !**

ان کی یہ شوکتِ رفتہ اس وقت تک لوٹ کرنہیں آسکتی ،جب تک وہ اس پاکیزہ اورحیات بخش شریعت کی طرف عودنہیں کرتے ۔اوراپنے جملہ امورمیں ان کوحکم نہیں بنالیتے۔

اخیرمیں بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ علماوصاحبان افتا سے ملتجی ہوں کہ آپ اپنے فرض منصبی کوسمجھیں اوراس بات کوذہن نشیں رکھیں کہ آپ ہی فی الوقت امت کے ہادی اورخیر کے داعی ہیں۔اورآپ رہبرورہنما ہونے کی حیثیت سے اپنی ہرخامی کے لیے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہیں۔

لہٰذااہل علم،کودرس وتدریس کافریضہ اشاعتِ علم کے لیے انجام دیناچاہیے ،مجادلہ ومکابرہ اورعقلی وعلمی تعیش کے لیےنہیں ...... جب تک اربابِ علم اپنےعلم کے مطابق عمل نہیں کریں گے،وہ دوسروں کے لیےنمونۂ عمل نہیں بَن سکتے،نہ ہی دوسرا اُن کی دعوت سےفیض یاب ہوسکتاہے۔دعاہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کےصدقے ہمیں نفع رساں علم عطافرمائے اورہمیں اپنے علم پرعمل کی توفیق سےنوازے. آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

العبدالعاصی

احقرالعباد

فقیراشرفی وگدائے جیلانی

ابوالفیض سیدمحمدنورانی الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی

مصادر و مراجع

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین
۱	قرآن مقدس	کلام باری تعالیٰ عزوجل
۲	کنزالایمان	امام اہل سنت امام احمدرضاخان
۳	تفسیر درمنثور	علامہ امام حافظ جلال الدین سیوطی
۴	تفسیرقرطبی	علامہ ابوعبداللہ محمدبن احمدانصاری قرطبی
۵	تفسیراضواءالبیان	علامہ محمدامین بن محمدمختارجکنی شنقیطی
۶	تفسیراشرفی	شیخ الاسلام علامہ سیدمدنی اشرفی جیلانی
۷	بخاری شریف	امام ابوعبداللہ محمدبن اسمٰعیل بخاری
۸	مسلم شریف	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری
۹	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمدبن عیسیٰ ترمذی
۱۰	ابوداؤدشریف	امام ابوداؤدسلیمان بن اشعث سجستانی
۱۱	ابن ماجہ شریف	امام ابوعبداللہ محمدبن یزیدابن ماجہ
۱۲	نسائی شریف	امام ابوعبدالرحمن احمدبن شعیب نسائی
۱۳	مشکوٰۃ شریف	علامہ ولی الدین تبریزی
۱۴	مسنداحمد	امام احمدبن حنبل
۱۵	مسندشافعی	امام شافعی محمدبن ادریس
۱۶	بیہقی شریف	امام احمدبن حسین بن علی بیہقی
۱۷	طبرانی شریف	سلیمان بن احمدبن ایوب بن مطیرشامی

۱۸	دار قطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بغدادی
۱۹	الادب المفرد	امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری
۲۰	مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ	علامہ علی بن سلطان محمد القاری
۲۱	مراسیل ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی
۲۲	ابن حبان شریف	امام محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ تمیمی
۲۳	مستصفیٰ شریف	ابوحامد محمد غزالی طوسی نیساپوری صوفی شافعی
۲۴	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی
۲۵	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی
۲۶	مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی
۲۷	مؤطا امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل
۲۸	عمدۃ القاری	امام بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی
۲۹	تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد بن عثمان ذھبی شمس الدین ابوعبداللہ
۳۰	الطبقات الکبریٰ	ابوعبداللہ محمد بن سعد بغدادی المعروف بابن سعد
۳۱	طبقاتِ حنابلہ	اامام زین الدین عبدالرحمن بن احمد بغدادی حنبلی
۳۲	الموافقات	ابراھیم بن موسیٰ بن محمد لخمی شاطبی
۳۳	حقائق شرحِ صحیح مسلم	علامہ غلام رسول سعیدی
۳۴	جامع بیان العلم وفضلہ	حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی
۳۵	سراجی	شیخ سراج الدین محمد ابن عبدالرشید سجاوندی حنفی
۳۶	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراھیم معروف بخطابی
۳۷	البدایۃ والنہایہ	ابن کثیر اسماعیل بن عمر دمشقی

۳۸	سیر اعلام النبلاء	محمد بن احمد بن عثمان ذھبی شمس الدین ابوعبداللہ
۳۹	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد ابن حجر عسقلانی
۴۰	لسان المیزان	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد ابن حجر عسقلانی
۴۱	لسان العرب	ابوالفضل جمال الدین ابن منظور رویفعی افریقی
۴۲	بصائر ذوی التمییز	حضرت مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی
۴۳	فصل الخطاب فی سیرۃ عمر بن الخطاب	حضرت علی محمد صلابی
۴۴	موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب	حضرت محمد رواس قلعہ جی
۴۵	صحیح التوثیق فی سیرۃ حیاۃ الفاروق	آراء علماء المحققین
۴۶	عمر بن الخطاب لعبدالرحمن البکری	عبدالرحمن احمد البکری
۴۷	ادب الخلاف	احمد جمال ابویوسف، فاضل جامعہ اردنیہ
۴۸	اخلاق العلما	ابوبکر محمد بن حسین اجری
۴۹	الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۵۰	ادب الاختلاف وبعض القواعد الضابطۃ لہ	شیخ علی ونیس
۵۱	تاریخ دمشق	امام حافظ ابوالقاسم علی بن حسن معروف بابن عساکر

۵۲	تاریخ بغداد	امام حافظ احمد بن علی بن ثابت، معروف خطیب بغدادی
۵۳	فتاویٰ عزیزیہ	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلی
۵۴	فتاویٰ رضویہ	امام اہل سنت امام احمد رضا خان
۵۵	عقد الجید	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۵۶	کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراہم	امام اہل سنت امام احمد رضا خان
۵۷	اہلِ سنت کی آواز	ماہنامہ ۲۰۱۴ء
۵۸	فرعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت	علامہ یٰسین اختر مصباحی

☆☆☆☆☆

Founder & Chairman
Huzur Taj Ul Ulama
Syed Mohammed Noorani
Ashraf, Ashrafi Al Jilani

ناشر : اشرفی چشتی فاؤنڈیشن احمد آباد گجرات

Rs. 150/-